اکتوبر
October
2016

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ

پیغام شریعت

دہلی

- معرکہ کربلا کے داخلی اثرات
- انبیائے کرام اور علوم عصریہ
- عشرہ محرم میں سیاہ لباس اور تعزیہ داری کا شرعی حکم
- مودی حکومت، گائے اور لاقانونیت
- قادیانیت پر نظر کرم آخرم کیوں؟



مخدوم جہانگیر اشرف سمنانی
ایوان سمنان سے خانقاہ ہند تک کے سفر کی روداد

₹15/-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی

PAIGAM E SHARIAT
Monthly

اکتوبر ۲۰۱۶ | جلد ا | شمارہ نمبر ۷ | اکتوبر ۲۰۱۶

یک شمارہ کی قیمت 15 روپے، سالانہ زر تعاون 150 روپے، بیرون ممالک کے لئے 40 ڈالر، خلیجی



PAIGHAM E SHARIAT
Monthly
House No. 442, 2nd Floor, Gali Sarotey Wali,
Matia Mahal Jama Masjid Delhi-110006
Mob: 9911062519, 011-23260749
Email: paighameshariat@gmail.com
Indian Bank, A/c. Name: Paighameshariat
A/c. No. 6409744750, IFSC Code IDIB000J033

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی
مکہ پبلیشر دہلی
گلی سروتے والی مکان نمبر ۴۴۲، دوسری منزل، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی ۔ ۶
Ph: 011-23260749, Mob: 9911062519

فہرست مضامین

نوٹ

مندرجات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔

کسی قسم کی عدالتی چارہ جوئی صرف دہلی کی عدالت میں قابل سماعت ہوگی۔

اداریہ

قادیانیت پر نظر کرم! آخر کیوں؟

از: ڈاکٹر غلام زرقانی

عجیب بات ہے کہ موجودہ بی جے پی حکومت میں کشمیر سے لے کر کنیا کماری تک، سب سے زیادہ نشانے پر مسلمان ہی ہیں، کبھی گائے کی تقدیس کے نام پر، کبھی رام مندر کے نام پر، کبھی یکساں سول کوڈ کے نام پر، کبھی دہشت گردی کے الزامات لگا کر اور کبھی کشمیر میں علاحدگی پسند تحریک کو کچلنے کی آڑ میں، ستائے بہرکیف مسلمان ہی جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے جب ضرر رسانی ہی مقصود ہے، تو مسلمانوں کے عقائد حقہ پر ضرب لگانے والی تحریک ''قادنیت'' کے سر پر ہاتھ کیوں نہ رکھا جائے؟ سو یہ شوق بھی قادیانیوں کے ساتھ اظہار ہمدردی کے بہانے پورا کرنے کی تیاری ہو رہی ہے۔

تاریخی دستاویزات کے مطابق مرزا غلام احمد قادیانی نے ۲۳؍مارچ ۱۸۸۹ء میں تحریک احمدی کی بنیاد رکھی۔ مرزا کی شخصیت کس قدر متنازع ہے، اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی تاریخ پیدائش میں ایک دو سال کا نہیں، بلکہ سات آٹھ سالوں کا فرق ہے۔ اپنی خود نوشت میں لکھا کہ اس کی پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں ہوئی، جب کہ اس کے بیٹے کے ذریعہ لکھی گئی سیرت المہدی کے مطابق تاریخ پیدائش ۱۸۳۶ء، ۱۸۳۵ء، ۱۸۳۴ء، ۱۸۳۳ء اور ۱۸۳۱ء تک ہو سکتی ہے۔ میرے خیال میں مرزا غلام احمد قادیانی اپنے عقائد و معمولات کے پس منظر میں ہی ''یکتائے روزگار'' نہیں، بلکہ روئے زمین پر پھیلے ہوئے کروروں کتب سیر کے درمیان بھی تاریخ پیدائش میں ''بعد المشرقین'' اختلاف و انتشار کے حوالے سے ایک جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔

کہتے ہیں کہ اوائل عمر میں مرزا غلام احمد قادیانی کے خیالات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے حوالے سے امت اسلامیہ کے درمیان متفقہ عقائد سے مختلف نہ تھے، بلکہ وہ خود بھی اقرار کرتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ بطور مثال ایک اقتباس سماعت کر لیجیے۔

''اور رحم کرنے والے رب نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بغیر کسی استثنا کے 'خاتم انبیا' رکھا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لانبی بعدی سے طالبوں کے لیے بیان واضح سے اس کی تفسیر کی ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور اگر ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے ظہور کو جائز قرار دیں تو ہم وحی نبوت کے دروازہ کے بند ہونے کے بعد اس کا کھلنا جائز قرار دیں گے، جو بالبداہت باطل ہے، جیسا کہ مسلمانوں پر مخفی نہیں، اور ہمارے رسول کے بعد کوئی نبی آ کیسے سکتا ہے، جب کہ آپ کی وفات کے بعد وحی منقطع ہو گئی ہے اور اللہ نے آپ کے ذریعہ نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا......'' (حمامۃ البشریٰ الی اہل مکۃ وصلحاء ام القریٰ: غلام احمد قادیانی، ص: ۸۲، ۸۳، ۸۴)

تاہم جب منصب نبوت پر فائز ہونے کی خواہش بیدار ہوئی، تو دھیرے دھیرے عقیدہ ختم نبوت پر نقب زنی لگانی شروع کی اور پہلے تو نبوت کے دروزے کے بند ہونے کے تصور کا مذاق اڑایا، پھر اس کے دونوں پٹ کھولنے کی کوشش کی اور اس کے بعد آں جناب مجدد، مہدی، ظلی، بروزی اور مسیح موعود ہونے کے دعوے کے ساتھ بیت النبوت میں داخل ہونے کی مذموم جسارت کر بیٹھے۔

یقین نہیں آتا تو عدل و انصاف کے آئینے میں اسے پڑھیے۔

''یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند

ہوگیا ہے اور آئندہ کو قیامت تک اس کی کوئی بھی امید نہیں۔صرف قصوں کی پوجا کرو۔پس کیا ایسا مذہب کچھ مذہب ہوسکتا ہے،جس میں براہ راست خدا تعالیٰ کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا،جو کچھ ہیں قصے ہیں۔اور کوئی اگر چہ اس کی راہ میں اپنی جان بھی فدا کرے،اس کی رضا جوئی میں فنا ہو جائے اور ہر ایک چیز پر اس کو اختیار کر لے،تب بھی وہ اس پر اپنی شناخت کا دروازہ نہیں کھولتا اور مکالمات اور مخاطبات سے اس کو مشرف نہیں کرتا۔میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں مجھ سے زیادہ بیزار ایسے مذہب سے اور کوئی نہ ہوگا۔میں ایسے مذہب کا نام شیطانی مذہب رکھتا ہوں نہ کہ رحمانی۔اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ایسا مذہب جہنم کی طرف لے جاتا ہے اور اندھا رکھتا ہے اور اندھا ہی مارتا اور اندھا ہی قبر میں لے جاتا ہے۔'' (براہین احمدیہ:غلام احمد قادیانی، ج:۵،ص:۳۵۴)

کیا سمجھے! مرزا یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ انہوں نے رضائے الٰہی کی خاطر شب وروز قربان کردیے ہیں،تو پھر منصب نبوت پر فائز ہونے کے لیے اہل کیوں نہیں؟ گویا مرزا کی فہم وفراست کے مطابق نبوت ایک طرح کا دنیاوی منصب ہے کہ جس طرح ایک کلرک اپنی جدو جہد اور حسن عمل کے نتیجہ میں ترقی کرتے کرتے بالآخر ادارہ کا مہتمم اعلیٰ ہوجاتا ہے،ٹھیک اسی طرح کوئی شخص عبادت وریاضت اور مجاہدات ومراقبات کے نتیجے میں ترقی کرتے کرتے منصب نبوت تک پہنچ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔یہ توجیہ درست قرار دے دی جائے، تو پھر یہ کہنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا کہ مرزا قادیانی صرف اپنے لیے ہی نبوت کا دروازہ نہیں کھول رہے ہیں، بلکہ اپنے بعد آنے والے ایسے کروروں مسلمانوں کو منصب نبوت پر فائز ہونے کی بشارت دے رہے ہیں،جنہوں نے بارگاہِ الٰہی میں سب کچھ قربان کردیا ہے۔ایمان سے بتایئے، یہ فہم وفراست ہے نا نہایت ہی مضحکہ خیز! یہاں مرزا نے ''دوسروں'' کے لیے گڈھا نہیں کھودا ہے، بلکہ ''اپنے'' لیے نہایت ہی خوفناک، وسیع وعریض اور گہری کھائی کھودی ہے،جس میں پہلے تو وہ خود گرے اور پھر اس کے چاہنے والے آئے دن مسلسل گر رہے ہیں اور تماشہ یہ ہے کہ انہیں احساس زیاں تک نہیں! ؎ وہ آندھیوں میں ریت کا گھر دے گیا تمہیں

اس کے بعد پوری قوت سے اعلان کردیا جاتا ہے کہ:

''اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں،جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے اور اسی نے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اس نے میری تصدیق کے لیے بڑے بڑے نشان ظاہر کیے ہیں، جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔'' (حقیقۃ الوحی ۵۰۳)

فرصت کے اوقات میسر آجائیں تو متذکرہ بالا اقتباسات پر از سر نو نگاہ ڈالیے اور ایمان ویقین کے اجالے میں اپنے ضمیر سے پوچھنے کی کوشش کیجیے کہ جس کے احوال وافعال میں نہیں، بلکہ صرف ''فرامین وارشادات'' کے درمیان اس قدر صاف تناقضات ہوں، کیا اس کی باتیں قابل توجہ ہوسکتی ہیں؟ اور سنیے کہ باتیں دنیاوی معاملات کے حوالے سے نہیں ہیں، بلکہ عقیدہ وایمان کے بارے میں ہیں، کہ جن کی سلامتی دین ودنیا؛ دونوں میں فلاح وکامرانی کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔

خیال رہے کہ وہ خود اپنی زبان سے اپنے نہ ماننے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتا ہے اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینے میں یہ امر مسلم ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو کافر قرار دے اور وہ حقیقت میں کافر نہ ہو، تو کہنے والا خود کافر ہوجاتا ہے۔لہٰذا ہمارے کہنے سے نہ سہی، خود اسی کے قول کی روشنی میں، اسے تسلیم نہ کرنے والوں کے نزدیک وہ دائرۂ اسلام سے خارج ٹھہرا۔

''خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا، وہ مسلمان نہیں''۔
(تذکرہ مجموعہ الہامات: مرزا غلام احمد قادیانی، ص:۶۰۰، طبع دوم)

یہ تو رہی بات عقائد ومعمولات کے پس منظر میں، اب آیئے ذرا حب الوطنی کے حوالے سے بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی صاف

وشفاف تصویر دیکھ لی جائے۔

تاریخی اعتبار سے یہ ثابت ہے کہ احمدی تحریک کی ابتدا برطانوی سامراجیت کے عہد میں ہوئی۔ تاہم یہ جان کر حیرت ہوتی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی برطانوی آقاؤں کے دل وجان سے نہ صرف بہی خواہ تھے، بلکہ ۱۸۵۷ء میں پہلی جنگ آزادی کے موقع پر اہل خاندان نے برطانوی سامراجیت کے شانہ بشانہ مجاہدین آزادی کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ یہ خونچکاں روداد خود انہی کی زبانی سنیے۔

’’ میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے۔ میرا والد مرزا غلام مرتضیٰ گورنمنٹ کی نظر میں وفادار اور خیر خواہ آدمی تھا، جن کو دربار گورنری میں کرسی ملتی اور جن کا ذکر مسٹر گریفن صاحب کی تاریخ رئیسان پنجاب میں ہے۔ ۱۸۵۷ء میں انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریزی کو مدد دی تھی، یعنی پچاس سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکار انگریزی کی امداد میں دیے تھے، ان کی خدمات کی وجہ سے جو چٹھیات خوشنودی حکام ان کو ملی تھیں، مجھے افسوس ہے کہ بہت سی ان میں سے گم ہو گئیں، مگر تین چٹھیات جو مدت سے چھپ چکی ہیں، ان کی نقلیں حاشیہ میں درج کی گئی ہیں۔ پھر میرے دادا صاحب کی وفات کے بعد میرا بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدمات سرکاری میں مصروف رہا اور جب تموں کے گزر پر مفسدوں کا سرکار انگریزی کی فوج سے مقابلہ ہوا تو وہ سرکار انگریزی کی طرف سے لڑائی میں شریک تھا۔‘‘ (اشتہار رواجب الاظہار، ۲۰ ستمبر ۱۸۹۷ء)

ہائے رے نیرنگی زمانہ! مذہب وملت سے قطع نظر، سارے اہل ہند برطانوی حکومت کے خلاف برسرپیکار ہیں اور مرزا کے اہل خانہ آزادی کی تحریک میں شریک ہونے والے مظلومین کے خلاف ’’سرکار انگریزی‘‘ کی مدد کر رہے ہیں، بلکہ بنفس نفیس شرکت بھی کر رہے ہیں۔ خیال رہے کہ خوف انتقام کی وجہ سے برطانوی سامراجیت کے خلاف خاموش رہنے کا معاملہ ہوتا، تو بات کچھ اور تھی، تاہم یہاں پورے ’’جذبۂ اخلاص‘‘، ’’نشاط وامنگ‘‘ اور ’’عزم وحوصلہ‘‘ کے ساتھ اپنے ہی ملک کے خلاف دشمنوں کی مدد ہو رہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا خاندان جنگ آزادی میں شرکت تو درکنار، مجاہدین آزادی کے سینے میں خنجر اتارنے کی روداد فخر سے بیان کر رہا ہے اور کچھ سیاسی عمائدین ایسی خطرناک جماعت کی پذیرائی کرنے پر تلے ہوئے ہیں!

اختصار کے ساتھ؛ مذہبی اور سیاسی، دونوں پہلوؤں سے احمدی تحریک کی ایک صاف وشفاف تصویر آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ پہلی تصویر یہ دکھاتی ہے کہ احمدی جماعت روئے زمین پر پھیلے ہوئے سوا ارب مسلمانوں کے متفقہ عقائد سے بغاوت کی مرتکب ہوئی ہے۔ اور دوسری تصویر صاف بتا رہی ہے کہ ملک کے حوالے سے یہ جماعت کسی بھی زاویے سے قطعی وفادار نہیں ہے۔ اس لیے مجھے کہنے دیا جائے کہ احمدی فرقہ کی حمایت سے صرف سوا ارب مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ہی ٹھیس نہیں پہنچے گی، بلکہ اس سے ڈیڑھ ارب ہندوستانیوں کے جذبات حب الوطنی بھی مجروح ہوں گے، بلکہ اسے جنگ آزادی میں حصہ لینے والے لاکھوں ہندوستانیوں کی قربانیوں کے منھ پر زوردار طمانچہ کہنا، کہیں زیادہ درست تعبیر ہو سکتی ہے۔

حیرت ہے کہ ہم تو ۱۸۵۷ء کے واقعہ کو جنگ آزادی سے تعبیر کرتے ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی اسے ’’غدر‘‘ سے یاد کر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اہل خانہ کی ساری حمایتیں برطانوی سامراج کے ساتھ ہوں، تو ان کے مدمقابل لڑنے والے آزادی کے متوالے، ان کی نگاہوں میں دشمن ہی ٹھہریں گے اور دشمنوں کی طرف سے کیے جانے والے احتجاجات ’’غدر‘‘ ہی کہلائیں گے۔ گفتگو کی اس منزل پر پہنچ کر سیاسی عمائدین کی فہم وفراست پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے کہ مرزا کے نزدیک تو ہم دشمن ٹھہریں اور یہ ہیں کہ انہیں اعزاز واکرام سے نوازنے کی تیاری کریں! ☆

Ghulamzarquani@yahoo.com

درس حدیث

ساتویں قسط

احادیث کریمہ۔مشکلات اور حل

از: مولانا کوثر امام قادری

افضل اعمال

افضل اعمال سے متعلق بہت ساری حدیثیں آپس میں بظاہر متعارض نظر آتی ہیں، ان میں سے یہاں چند ذکر کی جارہی ہیں اور ان کا حل اشکال بھی پیش کیا جائے گا، ان شاءاللہ۔

عن ابن مسعود رضي الله عنه، قال: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم أيُّ العمل أفضل؟ قال: "الصلوة لوقتها" قال قلت: ثم أيّ؟ قال: "بر الوالدين" قال قلت: ثم ایٌّ؟ قال: "الجهاد فی سبیل الله" (مسلم، باب کون الایمان باللہ افضل)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ((نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا)) میں نے پوچھا: اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا: ((والدین کے ساتھ نیکی کرنا)) میں نے عرض کیا: اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا: ((اللہ کی راہ میں جہاد کرنا))

عن أبي هريري رضي الله عنه، قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم أيُّ الأعمال أفضل؟ قال: ((إيمان بالله)) قيل: ثم ماذا؟ قال: ((الجهاد في سبيل الله)) قيل: ثم ماذا؟ قال: ((حج مبرور)) (مسلم، باب کون الایمان باللہ افضل)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: ((اللہ تعالی پر ایمان لانا)) پوچھا گیا: اس کے بعد کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: ((اللہ کی راہ میں جہاد کرنا)) عرض کیا گیا: اس کے بعد؟ فرمایا: ''حج مقبول''۔

اشکال: یہاں صرف دو حدیثیں ذکر ہوتی ہیں ورنہ اس طرح کی متعدد حدیثیں ہیں جن میں افضل اعمال کی نشاندھی کی گئی ہے، بعض میں افضل اعمال کھانا کھلانا اور بہ کثرت سلام کرنا ہے۔بعض میں کسی شخص کے ہاتھ سے اور زبان سے مسلمانوں کا محفوظ رہنا افضل اعمال کہا گیا ہے۔ ان روایات میں تعارض کی وجہ سے یہ اشکال پیدا ہوا کہ درحقیقت افضل اعمال کیا ہے؟

حل اشکال: افضل اعمال کے باب میں جتنی حدیثیں کتب حدیث میں مذکور ہیں ان سب کو باہم متعارض ہونے سے بچانے اور رفع اشکال کے لیے حسب ذیل جوابات ہیں:

اول: افضل اعمال کے سلسلے میں سائلین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اور آپ نے مختلف جوابات عطا فرمائے؛ تو یہ اختلاف سوال کرنے والوں کے احوال کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔یعنی اگر کسی شخص میں مال خرچ کرنے اور لوگوں سے میل جول رکھنے کی کمی تھی؛ تو اس کے حق میں افضل اعمال کھانا کھلانے اور بکثرت سلام کرنے کو قرار دیا۔اسی طرح جہاد، حج اور والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم ہے،یعنی جس شخص میں جس عمل کی کمی تھی اس کے حق میں اسی عمل کو افضل قرار دیا۔

دوم: یہ تمام اعمال افضل اعمال سے ہیں جہاں جس کو مناسب سمجھا بیان کر دیا۔

سوم: یہ جوابات حالات کے اعتبار سے ہیں، یعنی بعض حالات میں جہاد افضل ہے، بعض حالات میں حج اور بعض میں والدین کی اطاعت افضل اعمال ہے۔

چہارم: عقائد کے باب میں ایمان باللہ سب سے افضل عمل

ہے اور اعمال میں بعض حقوق اللہ ہیں اور بعض حقوق العباد ہیں۔ حقوق اللہ میں بعض صرف بدنی عبادات ہیں، بعض صرف مالی اور بعض بدنی و مالی کا مجموعہ اور حقوق العباد میں ماں، باپ اور عام مسلمانوں کے حقوق ہیں۔

حقوق اللہ کے اعتبار سے بدنی عبادات میں نماز کو اپنے وقت میں پڑھنا سب سے افضل عمل ہے اور مالی عبادات میں زکوۃ سب سے افضل ہے اور مالی و بدنی عبادات کے مجموعہ میں حج اور جہاد سب سے افضل ہیں اور حقوق العباد کے اعتبار سے والدین کے ساتھ نیکی کرنا اور عام لوگوں کو کھانا کھلانا اور لوگوں سے میل جول رکھنا اور ان کو اپنے شر سے محفوظ رکھنا افضل اعمال ہیں۔ (شرح مسلم سعیدی جلد اول ۵۴۳)

گیسوئے رسول کی لمبائی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گیسوئے پاک کی درازی کیا تھی اور دیکھنے والے عاشقان حبیب نے کیا مقدار طوالت بیان کی ہے۔ ملاحظہ کریں:

عن قتادة رضي الله عنه، قال: قلت لأنس بن مالک رضي الله عنه كيف كان شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: "كان شعرا رجلا ليس بالجهد ولا البسط بين أذنيه و عاتقه" (مسلم: باب صفة شعره)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کیسے تھے؟ انہوں نے کہا: آپ کے بال درمیانی تھے، بہت گھونگر والے تھے نہ بالکل سیدھے، وہ بال کانوں اور کندھوں کے درمیان تک تھے۔

عن البراء رضي الله عنه، يقول: "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلا مربوعا بعيد مابين المنكبين عظيم الحمة إلى شحمة أذنيه". (مسلم: باب صفة شعره)

حضرت برا بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میانہ قد تھے، آپ کے دو شانوں کے درمیان زیادہ فاصلہ تھا، آپ کے بال لمبے تھے جو کانوں کی لو تک آتے تھے''۔

حل اشکال: حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بیان سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گیسوے پاک کانوں اور کندھوں کے درمیان تک تھے اور حضرت برا ابن عازب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ وہ کانوں کے لو تک آتے تھے۔ دونوں تفصیلات میں تعارض کو دیکھ کر ملا علی قاری نے یوں تطبیق دی ہے:

''نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمرہ اور حج میں سر منڈایا ہے۔ جب سر منڈانے کا زمانہ قریب ہوتا؛ تو آپ کے بال کانوں کے نصف تک ہوتے، پھر بال آہستہ آہستہ بڑھتے رہتے حتی کہ کانوں کی لو تک پہنچ جاتے، پھر کانوں اور کندھوں کے درمیان تک پہنچ جاتے اور زیادہ طول یہ تھا کہ وہ کندھوں کے نیچے لٹکے ہوئے ہوتے، اس وجہ سے ہر دیکھنے والے نے اپنے دیکھنے کے مطابق روایت بیان کی ہے''۔ (جمع الوسائل: جلد اول ۹۹)

کھڑے ہوکر پانی پینا

عن ابن عباس رضي الله عنه، قال: دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم حائطا لبعض الأنصار فجعل يتناول من الرطب فيأكل و هو يمشي و أنا معه فالتفت إليَّ فقال: "يا ابن عباس لا تأكل باصبعين فإنها أكلة الشيطان و كل بثلاث أصابع" (مجمع الزوائد جلد۵/ ۲۵)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی انصاری کے باغ میں گیے اور تازہ کھجوریں کھانے لگے دراں حالیکہ آپ چل رہے تھے اور میں بھی آپ کے ساتھ تھا، آپ نے میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا: ''اے ابن عباس دو انگلیوں کے ساتھ نہ کھاؤ؛ کیونکہ یہ شیطان کے کھانے کا طریقہ ہے، ہاں تین انگلیوں کے ساتھ کھایا کرو''۔

عن عبد الله بن عمر رضى الله عنه، قال: ((كنا نأكل على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم و نحن نمشي و نشرب و نحن قيام)) (جامع ترمذی:۲۸۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ظاہری میں کھاتے اور پیتے تھے دراں حالیکہ ہم چلتے تھے اور کھڑے ہوتے تھے۔

مذکورہ دونوں اور اس طرح کی متعدد حدیثیں ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھڑا ہو کر کھانا اور پینا دونوں جائز ہے جبکہ اس کے معارض مندرجہ ذیل حدیثیں ہیں:

عن أنس رضى الله عنه: أن النبي صلى الله عليه وسلم زجر عن الشرب قائما. (مسلم: باب کراھیۃ الشرب قائما)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ''نبی کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے پر ڈانٹا''۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال رسول الله عليه وسلم: "لا يشربن أحد منكم قائما فمن نسي فليستقي" (مسلم: باب کراھیۃ الشرب قائما)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص کھڑے ہو کر نہ پیئے اور جس نے بھول کر کھڑے ہو کر پی لیا وہ قے کر دے''۔

حل اشکال:

کھڑے ہو کر کھانے، پینے کی ممانعت و جواز سے متعلق بہت ساری حدیثیں ہیں جن میں باہم تعارض ہے، ان سب کو سامنے رکھتے ہوئے امام عینی نے دفع تعارض فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

''چونکہ کھڑے ہو کر کھانے پینے کے متعلق جواز اور ممانعت دونوں قسم کی احادیث ہیں؛ اس لیے ان میں تطبیق دینے کے متعلق علما کرام کے مختلف اقوال ہیں:

اول: علامہ خطابی مالکی، علامہ ابو محمد بغوی، علامہ مازری مالکی، قاضی عیاض مالکی، علامہ قرطبی مالکی، علامہ ابو زکریا شافعی کا قول یہ ہے کہ یہ ممانعت تنزیہہ پر محمول ہے اور حضور کا عمل بیان جواز کے لیے ہے۔

دوم: علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت سے چلتے ہوئے پانی پینے کی ممانعت مراد ہے۔

سوم: علامہ ابو الولید باجی مالکی اور علامہ مازری مالکی نے کہا کہ ممانعت کی احادیث اس صورت پر محمول ہیں کہ کوئی شخص اپنے اصحاب کے پاس کوئی مشروب لے کر آئے اور ان کے پینے سے پہلے کھڑے ہو کر پی لے۔

چہارم: علامہ ابو عمر و ابن عبد البرا اور دیگر مالکی علما نے کہا ہے کہ ممانعت کی احادیث ضعیف ہیں۔

پنجم: علامہ ابو حفص شاہین اور علامہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں کہا ہے کہ ممانعت کی احادیث منسوخ ہیں۔

ششم: ابن حزم نے کہا کہ ممانعت کی احادیث کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز کی ناسخ ہیں۔ (عمدۃ القاری: جلد ۱۷/۱۹۳)

ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چلتے پھرتے کھاتے تھے اور کھڑے ہو کر پیتے تھے، یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ کھڑے ہو کر کھانا اور پینا بلا کراہت جائز ہے۔ لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا ہو اور آپ نے اس کو مقرر رکھا ہو ورنہ ائمہ کا مختار یہ ہے کہ سوار ہو کر، چلتے ہوئے اور کھڑے ہو کر نہ کھائے''۔ (مرقات المفاتیح: جلد ۸/۲۲۲)

علامہ نووی فرماتے ہیں:

''یہ حدیث (جس میں قے کرنے کا ذکر ہے) استحباب اور ندب پر محمول ہے؛ لہٰذا جو شخص کھڑے ہو کر پانی پیئے اس کے لیے قے کرنا مستحب ہے؛ کیونکہ حدیث صحیح میں...... (باقی صفحہ ۱۴ پر)

فقہ وفتاوی

شرعی مسائل

مفتی محمد عالمگیر رضوی مصباحی

عورت کے لیے ملازمت کے شرائط

سوال: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید کی بیوی ہندہ گورنمنٹ اور وہ روز مرہ ملازمت کے لیے آمد ورفت کرتی ہے گورنمنٹی ملازمت کے شرائط ہیں ان پر کاربند رہنے کی بھر پور سعی وکوشش کرتی ہے حالانکہ ملازمت سے بیزاری بھی ظاہر کرتی ہے ہندہ کا شوہر ایک مسجد کا امام ہے اپنی بیوی ہندہ کی ملازمت سے بیزاری بھی ظاہر کرتا ہے تو کیا اس صورت میں زید کا امامت کرنا درست ہے؟

مستفتی: منظور علی لوکو کالونی، کوٹہ

الجواب: اللہم ھو الملھم بالحق والصواب

صورت مسئولہ میں غیر محرم کے ساتھ عورت کو ملازمت کرنے کے لیے پانچ شرطیں ہیں: اول: کپڑے باریک نہ ہو جن سے ستر کے بال یا کلائی وغیرہ سر کا کوئی حصہ جھلکے۔ دوم: کپڑے تنگ وچست نہ ہوں جو بدن کی ہیئات ظاہر کرے، سوم: بالوں، گلے، پیٹ، کلائی یا پنڈلی کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہوتا ہو، چہارم: کبھی نامحرم کے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے بھی تنہائی نہ ہوتی ہو، پنجم: ملازمت کی جگہ پر رہنے یا باہر آنے جانے میں کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، مذکورہ بالا پانچ شرطیں پائی جائیں تو عورت کو ملازمت کرنے میں حرج نہیں اور اگر ان مذکورہ شروط میں سے ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو عورت کو ملازمت کرنا حرام ہے۔ ہکذا فی الجزء العاشر من الفتاوی الرضویہ (فتاوہ فیض الرسول جلد۲ ص ۵۷۶) بہرصورت زید کی بیوی ہندہ اگر گورنمنٹی ملازمت کے جواز کی شروط خمسہ مذکورہ پر مکمل طور پر کاربند رہنے کی سعی وکوشش کرتی ہے تو ایسی صورت میں ہندہ کے شوہر زید سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اس کی اقتدا میں نماز پڑھنا شرعا جائز ودرست ہے بشرطیکہ دوسری وجہ مانع امامت نہ ہو اور اگر زید کی بیوی ہندہ گورنمنٹی ملازمت کے جواز کی شروط خمسہ مذکورہ پر مکمل طور پر کاربند نہیں ہے اور اس کا شوہر زید اس سے منع کرتا ہے اور اس سے مکمل طور پر بیزاری ظاہر کرتا ہے تو زید شرعاً مجرم نہیں ہے ایسی صورت میں اس کی اقتدا میں نماز پڑھنا شرعاً جائز ودرست ہے جیسا کہ فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ والرضوان اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: اور اگر شوہر بیوی کو سر بازار گھومنے یا بے حجاب چلنے سے حتی الامکان روکنے کی کوشش کرتا ہے اور عورت پھر بھی نہیں مانتی تو مرد پر الزام نہیں رہے گا یعنی اب اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے، فرمان خداوندی ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی (سورہ انعام آیت ۱۶۴) واللہ تعالی اعلم

زندگی میں کفن اور قبر تیار کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے کہ کیا آدمی اپنی زندگی میں اپنا کفن اور اپنی قبر تیار کر سکتا ہے؟ السائل حاجی حنیف عزیزی سلیمانی محلّہ لائقان جودھپور۔

الجواب: اپنی زندگی میں اپنا کفن تیار رکھنا شرعاً جائز ودرست ہے اور اپنی زندگی میں اپنی قبر تیار کروانا گو کہ جائز ہے مگر ناپسندیدہ ہے جیسا کہ امام اہل سنت مجدد اعظم اعلی حضرت سیدنا امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: اللہ تعالی فرماتا ہے: "﴿وما تدري نفس بأيّ أرض تموت﴾ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرجائیگا، قبر تیار رکھنے کا شرعاً کوئی حکم نہیں۔ البتہ کفن سلوا کر

رکھ سکتا ہے کہ جہاں کہیں جائے اپنے ساتھ لے جائے اور قبر ہمراہ نہیں رہ سکتی''(الملفوظ ج ۱ص ۶۷) نیز فتاوی رضویہ میں فرماتے ہیں:''کفن پہلے سے تیار کرنے میں کوئی حرج نہیں اور قبر پہلے سے بنانا نہ چاہئے''(ج۴ص۸۲) اور حضور صدر الشریعہ علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی قادری برکاتی رضوی علیہ الرحمہ والرضوان تحریر فرماتے ہیں:''اپنے لیے کفن تیار رکھے تو حرج نہیں اور قبر کھودوا کر رکھنا بے معنی ہے کیا معلوم کہاں مریگا''(بہار شریعت ج۴ص۶۰) نیز درمختار باب صلاۃ الجنازۃ میں ہے:''**والذي ينبغي أن لايكره تهيئة نحو الكفن بخلاف القبر لقوله تعالى: ﴿وما تدري نفس بأيِّ أرض تموت﴾**''(ج۳ص۱۵۳) واللہ تعالی اعلم۔

فرضی قبر بنانا اور اس پر فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں کہ زید اک جگہ جہاں نہ کوئی قبر ہے اور نہ ہی کوئی مزار صرف چند پتھروں کے علاوہ اور کچھ نہیں اور اس کے باوجود زید وہاں ایک مصنوعی مزار بنائے ہوئے ہے اور عوام سے کہتا ہے کہ یہ اللہ کے ولی و بزرگ ہستی کا مزار ہے۔ نیز اس مصنوعی مزار کی آڑ میں تعویذ گنڈے کرتا ہے حالانکہ اس جگہ کے لوگوں سے خاص کر عمر دراز لوگوں سے پوچھا گیا تو ہر ایک نے جواب یہی دیا کہ یہاں پہلے کچھ نہ تھا، صرف پتھر تھے۔ اور ہم لوگ یہاں پر رفع حاجت کے لیے جایا کرتے تھے۔ حضور والا آپ سے عریضہ ہیکہ اس مسئلہ کی بنا پر لوگوں میں تفرقہ ہورہا ہے برائے کرم جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں کہ زید کا لوگوں کو اس طرح مکر وفریب میں مبتلا کرنا کیسا ہے؟ نیز لوگوں کا خصوصاً مسلم ومومن کا وہاں فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟ **بینوا وتوجروا.** السائل۔ حیدر علی آبو روڈ آبکاری روڈ۔

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر حقیقت یہی ہے جیسا کہ سوال میں درج ہے تو فرضی مزار بنانا اور اس کی زیارت کی طرف بلانا ناجائز وگناہ ہے؛ لہٰذا جو شخص فرضی مزار کو بنا کر اس کی زیارت کرتا اور کرواتا ہے وہ فاسق معلن ہے اس پر لازم ہیکہ اس ناجائز فعل سے باز آجائے اور علانیہ توبہ واستغفار کرے یونہی عوام اہل سنت پر بھی لازم ہے کہ فرضی قبر ومزار کی زیارت کرنے سے اور فاتحہ پڑھنے سے باز آجائیں؛ کیونکہ فرضی قبر ومزار کی زیارت کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے جیسا کہ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں امام اہل سنت مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان فرماتے ہیں:''قبر بلا مقبور کی زیارت کی طرف بلانا اور اس کے لیے وہ افعال کرانا گناہ ہے اور جبکہ وہ اس پر مصر ہے اور باعلان اسے کر رہا ہے تو فاسق معلن ہے''(فتاوی رضویہ شریف ج۴ص۵۱۵) اور فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ والرضوان اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:''فرضی قبر بنا ناجائز نہیں، اور اس کی زیارت کرنے والوں پر خدائے تعالیٰ کی لعنت ہے۔''فتاوی عزیزیہ جلد اول ص۱۴۴ پر ہے: در کِتَابُ السِّرَاجِ بِروَایَةِ خَطِیْب آوُرْدَهُ لَعنَ اللّٰهُ مَنْ زَارَ بِلَا مَزَارٍ''(فتاوی فیض الرسول ج۲ ص۶۱۱) اور مزید آپ اسی فتاوی فیض الرسول ثانی میں تحریر فرماتے ہیں:''مصنوعی قبر کی زیارت حرام ہے اور حدیث شریف میں لعنت آئی ہے، فتاوی عزیزیہ میں ہے: لَعنَ اللّٰهُ مَنْ زَارَ بِلَا مَزَار؛ لہٰذا ملنگ کی مصنوعی قبر کی زیارت کرنا سخت ناجائز وحرام ہے''(ج۲ ص۵۴۲) نیز اسی میں تحریر فرماتے ہیں:''بیشک جب تک ثبوت صحیح شرعی سے کسی بزرگ کا مزار ہونا ثابت نہ ہوجائے وہاں محض خیال قائم کرنے اور غیر معتمد لوگوں کے کہنے سے یہ جائز نہ ہوگا کہ وہاں بزرگ کا مزار مان لیں خصوصاً فساق کا بیان حال، قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍفَتَبَيَّنُوْا﴾ بزرگ کا مزار ہونا تو بزرگ کا مزار ہے وہاں عرس کرنا اور چڑھانا کہ وہاں مسلم کی قبر ہے جب تک ثابت نہ ہوجائے وہاں جانا نیز سمجھنا اور وہاں پڑھنا اس کی بھی اجازت نہ ہوگی(ج۲ص۶۸۶۔۶۸۷) واللہ تعالیٰ اعلم۔

جانوروں کے غیر وقتی دودھ کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کی کوئی بھی دودھ دینے والا حلال چوپایہ (جانور) مثلاً گائے، بکری، بھینس، بھیڑ، اگر وقت مقررہ سے پہلے ہی اپنا بچہ گرادے اور اس کو دودھ اتر آئے یا بغیر حمل ہی کے دودھ اتر آئے تو اس کے دودھ کا کیا حکم ہے کیا اس دودھ کو پینا شرعاً جائز و درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حلال چوپایوں (جانوروں) کا دودھ، خواہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے اتر آئے یا بعد میں یا بغیر حمل ہی کے اتر آئے شرع مُطہّر کے نزدیک اس کی ممانعت نہیں اس کا پینا جائز و درست ہے جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: ﴿وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَۃً نُسْقِیْکُمْ مِمَّا فِی بُطُوْنِہٖ مِنْ بَیْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشّٰرِبِیْنَ﴾ اور بیشک تمہارے لیے چوپایوں میں نگاہ حاصل ہونے کی جگہ ہے، ہم تمہیں پلاتے ہیں اس چیز میں سے جو ان کے پیٹ میں ہے گوبر اور خون کے بیچ میں سے خالص دودھ گلے سے سہل اترتا پینے والوں کے لیے (پ۱۴، سورہ نحل ۶۶) نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿نسقیکم مما في بطونها﴾ ہم تمہیں پلاتے ہیں اس میں سے جو ان کے پیٹ میں ہے (پ۱۸، سورۂ مؤمنون۲۲) مذکورہ بالا آیات کریمہ کے اطلاق وعموم سے حلال مویشیوں کے دودھ کی تمام انواع واقسام جائز وحلال ہوگئیں؛ لہٰذا حلال چوپایوں کا دودھ خواہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے اتر آئے یا بعد میں یا بغیر حمل کے ہی اتر آئے شرعاً ممانعت نہیں اس کا پینا حلال و درست ہے جیسا کہ فتاوی یورپ ص ۵۲۱ پر صراحت موجود ہے، ہذا ماعندی والعلم بالحق عندربی عزوجل وعلمہ اتم واحکم، واللہ تعالی اعلم۔

گالی دینے والے کی امامت کا حکم

السوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جو امام مقتدیوں کو گالی دیتا ہے اس کو امام بنانا اس کی اقتدا میں نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز اور جو نمازیں ایسی حالت میں اس کی اقتدا میں پڑھی گئیں ہیں کیا ان نمازوں کو دوبارہ پڑھنا واجب وضروری ہے؟ المستفتی محبوب علی بھائی پریسٹن، یوکے

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر حقیقت یہی ہے جیسا کہ سوال میں درج ہے تو مسلمان کو گالی دینا ناجائز وگناہ وفسق ہے، جب مسلمان کو گالی دینا ناجائز وگناہ وفسق ہے تو جو امام مقتدیوں کو گالی دیتا ہے۔ وہ فاسق معلن ہے اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ ہے اس کی اقتدا میں نماز پڑھنا شرعاً ناجائز ومکروہ تحریمی ہے، ایسی حالت میں اس کی اقتدا میں جو نمازیں پڑھی گئیں ان نمازوں کا اعادہ واجب ہے، حدیث شریف میں ہے: ''سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ'' مسلمان کو گالی دینا فسق وگناہ ہے (مسلم شریف ج۱ص۵۸) اور درمختار میں ہے: ''کُلُّ صَلَاۃٍ اُدِیَتْ مَعَ کَرَاھَۃِ التَّحْرِیْمِ تَجِبُ اِعَادَتُھَا'' جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ پڑھی جائے اس کا اعادہ واجب ہے (ج۱ص ۳۴۷) اور حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''اسے امام مقرر کرنا ناجائز ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی گناہ اور پڑھی ہو تو لوٹانی واجب وہاں کے مسلمان پر لازم ہے کہ اس کو امامت سے معزول کردیں اور کسی لائق امامت کو امام بنائیں'' (فتاوی امجدیہ ج۱ص ۱۳۸) ھٰذَا مَاعِنْدِیْ وَالْعِلْمُ بِالْحَقِّ عِنْدَ رَبِّیْ عَزَّ وَجَلّ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ۔

ماہ محرم میں شادی کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ماہ محرم میں شادی کرنا شرعاً منع ہے؟ مستفتی: مولانا محمد اشرفی باسنی ناگور شریف۔

الجواب: شادی کرنا کسی مہینے میں منع نہیں، تو جب شادی کرنا کسی مہینے میں منع نہیں تو ماہ محرم کے عشرہ اولیٰ میں بھی شادی کرنا منع نہیں۔ جیسا کہ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں حضور فقیہ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: ''جائز ہے، شرعاً

کوئی ممانعت نہیں'' (فتاویٰ فیض الرسول ج۱صفحہ۵۶۴)
واللہ تعالیٰ اعلم۔

عشرہ محرم میں لباس اور موجودہ تعزیہ داری کا شرعی حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں: (۱) عشرہ محرم میں سرخ، سیاہ اور سبز رنگ کے کپڑوں کو پہننا کیسا ہے؟ (۲) مروجہ تعزیہ داری جائز ہے یا ناجائز؟ نیز اس میں مسلمانوں کے لیے شرکت درست ہے یا نہیں؟
المستفتی مولانا محمد ہارون اشرفی دہلی۔

الجواب: (۱) عشرۂ محرم میں سرخ سیاہ اور سبز رنگ کے کپڑوں کو پہننے سے اجتناب واحتراز چاہیے جیسا کے امام اہل سنت مجدد اعظم سیدنا حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں یوں رقم طراز ہیں: ''محرم میں سیاہ اور سبز کپڑے علامت سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے۔خصوصاً سیاہ شعار رافضیان لیام ہے''۔ (فتاویٰ رضویہ شریف ج۹ نصف آخر ص ۲۶۸) اور فقیہ اعظم ہند حضور صدر الشریعہ علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی قادری برکاتی رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان من وعن اسی طرح کے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: ''عشرۂ محرم میں تین رنگ کے لباس اہل بدعت پہنتے ہیں۔ ان تینوں سے اجتناب چاہیے۔اول سرخ یا گلابی کہ خوارج شمنان اہل بیت اظہار مسرت کے لیے پہنتے ہیں۔دوم سیاہ کہ اس کو روافض پہنتے ہیں۔سوم: سبز یا دھانی کہ یہ تعزیہ داروں کا شیوہ ہے۔ اگر کپڑا مختلف رنگ کا ہو یہ تینوں سے خارج ہے''۔ (فتاویٰ امجدیہ ج۴ ص۱۴۷)

(۲) مروجہ تعزیہ داری بدعت سیئہ ناجائز وحرام ہے۔ اور مسلمانوں کے لیے اس میں شرکت شرعاً درست نہیں، جیسا کہ امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان لکھتے ہیں: ''اب کہ تعزیہ داری اس طریقہ نامرضیہ کا نام ہے قطعاً بدعت وناجائز وحرام ہے''۔اور ابوالفیض سیدی حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مراد آبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور تحریر فرماتے ہیں: ''مروجہ تعزیہ داری ڈھول تاشا باجا وغیرہ یزیدیوں کی نقل اور رافضیوں کا طریقہ ہے، یہ ناجائز وحرام ہے''۔ (بحوالہ فتاویٰ فیض الرسول ج۲ ص۵۱۰) اور اسی طرح کے ایک سوال کے جوا میں حضور فقیہ ملت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان لکھتے ہیں: ''ہندوستان کی مروجہ تعزیہ داری ناجائز وحرام ہے۔مروجہ تعزیہ داری کے بارے میں یہ ہے فتویٰ امام اہل سنت کا کہ وہ بدعت وناجائز وحرام ہے۔لہٰذا مسلمانان اہل سنت پر لازم ہے کہ اس قسم کی تعزیہ داری میں کسی طرح ہرگز شریک نہ ہوں اور نہ اپنے اہل وعیال کو شرکت کی اجازت دیں، ورنہ گنہگار مستحق عذاب نار ہوں گے''۔ (فتاویٰ فیض الرسول ج۲ص۵۰۹/۵۱۳) واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ محمد عالمگیر رضوی مصباحی عفي عنه
خادم تدریس وافتا دارالعلوم اسحاقیہ جودھپور
۳/ذوالحجہ ۱۴۳۷ھ

☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ۱۰)

......اس کا صراحۃً حکم دیا گیا ہے اور جب امر کو وجوب پر محمول کرنا متعذر رہو؛ تو اس کو استحباب پر محمول کیا جاتا ہے۔

قاضی عیاض وغیرہ نے اس حدیث کو اس وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے کہ اس میں قے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے اور قے کرنے کے مستحب ہونے میں شک نہیں ہے، جو شخص کھڑا ہو کر پانی پیئے اس کے لیے قے کرنا مستحب ہے۔خواہ اس نے عمداً کھڑا ہو کر پانی پیا ہو یا نسیاناً بلکہ عمداً کھڑے ہو کر پانی پینے والا اس حکم کا بہ طریق اولیٰ مخاطب ہے''۔
(شرح مسلم: جلد۳/۱۷۲)

کوثر امام قادری
دارالعلوم قدوسیہ فخر العلوم پرسونی بازار مہراج گنج یوپی
9838086342

معرکہ کربلا کے داخلی اثرات

مفتی محمد قمر الحسن بستوی النور مسجد ہیوسٹن

تاریخ کا جو ورق لہو کی بوندوں سے تحریر کیا جاتا ہے دراصل دوام وثبات اسی کو حاصل ہوتا ہے۔ پھر لہو کی تحریروں میں جمود نہیں ہوتا، بلکہ اس میں زندگی مچلتی ہے اور حیات انگڑائیاں لیتی ہے۔ جن اوراق پر یہ تحریریں ثبت ہوتی ہیں وہ حوادث زمانہ کی دست برد سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اب ان پر ایک عہد نہیں بلکہ پے بہ پے ادوار گذرتے رہیں مگر ان کے نقوش مندمل نہیں ہوتے، بلکہ اور جلا پیدا ہوتی رہتی ہے، نیز وادئ عشق کے رہروانِ منزل اگر غیرتِ عشق کی حفاظت میں اپنی جان ومال اولاد کا سودا کردیں تو ان کی آفاقیت کے آثار کتنے نمایاں ہوتے ہیں یہ اظہر من الشمس ہے۔ گذرے ہوئے اگر چہ سیکڑوں سال بلکہ ہزاروں سال ہو چکے ہوں مگر اس کا اثر تازہ ہی رہتا ہے۔ ہاں ان واقعات میں جذبۂ خلوص ہی محور ومدار ہوا کرتا ہے۔

معرکہ کربلا بھی تاریخ اسلام کا ایک ایسا واقعہ ہے جس پر شب وروز اور ماہ وسال کے ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں سال گذر جائیں گے جب بھی دل کا رابطہ اس سے کم ہونے کے بجائے اور بھی استوار ہوتا رہے گا۔

محرم الحرام ۶۱ھ میں اسی طرح کا ایک واقعہ کربلا کی سرزمین پر بھی رونما ہوا تھا جس میں حمایت حق اور خلوص کی چاشنی ہر طرف بکھری ہوئی دیکھی جارہی ہے۔ زمین وآسمان سے بڑا گواہ دنیا کے گوشہ میں نہیں مل سکتا۔ آج بھی آسمان وزمین اپنی زبان حال سے اس پارینہ واقعہ کے دل گداز نظارے بیان کررہے ہیں مگر سماعت کے لیے گوشِ شنوا ہونا چاہیے۔

کربلا کی گرم ریت میں جذب لہو کی بوندوں کے پس منظر میں جذبہ احیائے حق ہی جلوہ فرما نظر آتا ہے۔ ورنہ ہوس ملک رانی کبھی متوازن طاقت کے بغیر سر نہیں ابھارتی۔ اب کہ یہاں اہل خانہ اور جاں نثاروں کی مخصوص تعداد حریف کے مقابل کچھ نہیں تھی۔ مگر جب اسلامی قدروں کے چہرے مسخ کیے جانے لگے، رب جل مجدہ کی مقدس زمین پر مکروہ اور گھناؤنے عمل کی تخم ریزی ہونے لگی، اسوۂ نبوی کے پرخچے اڑائے جانے لگے۔ تو پرتو رسالت کا فریضہ تھا کہ اپنے اہل وعیال اور ارباب محبت ووفا کے خون سے تاریخ انسانیت کا نیا ورق تحریر کرے اور سر ابھارتے ہوئے فتنوں کا کسی نہ کسی صورت سدباب کرے، چنانچہ لازما یہی ہوا۔

تیغ لا چوں از میاں بیروں کشید
از رگ ارباب باطل خوں کشید

نقش الا اللہ برصحرا نوشت سطر عنوان نجات ما نوشت

کوئی بھی واقعہ خواہ المیہ ہو یا طربیہ ہر ایک کے اندر جہتیں اور تنوعات ہوتے ہیں اور پورا واقعہ انہیں تہہ دار جہتوں پر مبنی ہوتا ہے۔

واقعۂ کربلا میں بھی یہ جہتیں نمایاں ہیں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ پھر شخصیات کی عظمت وبلند قامتی سے واقعات کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ جب کہ اس خون آشام واقعہ میں جو شخصیت پیش پیش اور ہر مقام پر نمایاں ہے اس کا قد اتنا بلند وبالا ہے کہ اس کی رفعت وبلندی کے سامنے بڑے بڑے کج کلاہوں کی ٹوپیاں نیچے گرجائیں۔

اندازہ لگائیے کہ یہ واقعہ مسلمانانِ عالم کے جذبات میں کتنا تلاطم برپا کردیتا ہے اور ان کے دلوں کے اندر کس حد تک سرایت کرگیا ہے کہ جہاں ماہِ محرم الحرام کا چاند نمودار ہوا ایک کرب، ایک تکلیف اور ایک احساس کا لاوا ابل پڑتا ہے کہ لگتا ہے ابھی کل کی بات ہے، اور ہمارے اپنے گھر کی بات ہے، زخم ہرے ہوجاتے

ہیں، آنکھیں اشک بار ہوجاتی ہیں۔ کیوں کہ واقعہ کا تعلق اب نہ صرف فرد واحد سے ہے بلکہ ہر زمانہ میں اور ہر نسل انسانی میں جتنے بھی اہل دل، اہل نظر اور حق بیں وحق گو ہوں گے سب سے ہے، ورنہ واقعات گذرنے کے ساتھ ساتھ لمحوں کی چادریں بڑے سے بڑے غم کو چھپا دیا کرتی ہیں، مگر یہ غم ایسا ہے کہ جتنا فاصلہ بڑھتا ہے غم کی تازگی بڑھتی جاتی ہے۔

انسان کو بے دار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسین

حق کی حفاظت کے لیے اگر اپنا خون کرنا پڑے یا اپنے اہل خاندان کا، بہرصورت کیا جائے گا۔ کربلا کی سرزمین پر جو مقابل میں کھڑے تھے اجنبی نہیں تھے بلکہ خون ایک تھا، رشتہ ایک تھا، زمین ایک تھی اور قبیلہ جاتی پس منظر بھی ایک تھا اس میں تقریباً ہر ایک دوسرے کا قرابت دار تھا۔ مگر حق اور صداقت کی حفاظت کا جذبہ اتنا بلند ہوتا ہے جو ان ساری قرابت داریوں پر فائق رہتا ہے۔ ورنہ بھائی بھائی کا سر قلم نہ کرتا، باہمی رشتوں کی استواری داؤں پر نہ لگا دی جاتی۔ مگر بات صرف اتنی سی تھی کہ فسق وفجور، ظلم وعدوان، غیر شرعی اعمال کا ارتکاب، غیر اسلامی نظریات کا احیا امام وقت سے نہ دیکھا گیا۔ جب کہ مصلحت کوشی یہ تھی صبر سے اور صرف نظر سے کام لیتے لیکن......ع

''جن کے رتبے ہیں سوا ان کے سوا مشکل ہے''

شخصیت کا تقاضا، عزت رسول کی منزل ایسے وقت خاموش رہتی تو اسلام کا کلیدی ڈھانچہ بدل جاتا اور مستقبل کی نسلیں ناآشنائے حق وصداقت رہ جاتیں، اس لیے امام کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ اور اب ضرورت تھی کہ اسلام کی صبح دل کش اور جاذب تصویر میں لہو کی رنگ آویزی کی جائے چنانچہ ہوا یہی کہ اسلام کی سرخروئی کے لیے اپنا سر کٹا دیا، اپنے خاندان کو قربان کر دیا۔

ہر واقعہ اپنے ضمن میں مستقبل کے لیے کوئی پیغام رکھتا ہے، کربلا کے زہرہ گداز واقعہ کی ہر جہت ایک مستقل پیغام ہے۔

جب دین ومذہب پر آنچ آئے تو قرابت داری نہیں دیکھی جاتی۔ اپنا اور بے گانہ برابر ہوتا ہے۔ حق کا تحفظ ہی دراصل حصول زیست ہے، جبر وظلم کے سامنے سدِ سکندری بن جانے سے دوام حاصل ہوتا ہے۔ کسی بھی فاسق کی ہاں میں ہاں نہ ملائی جائے۔ وقت آنے پر اپنی جان اور اپنی اولاد کا چہرہ دیکھنا اصول حق پرستی کے منافی ہے وغیرہ۔ مگر اس تناظر میں امت مسلمہ کا جائزہ لیا جائے تو مذکورہ بالا تمام نظریات سے آج ہم یکسر چشم پوشی کرتے نظر آئیں گے۔ ہم نے اپنا مفاد عزیز رکھا اور مذہب کے مفاد سے اغماض و پہلوتہی کرلیا۔ اس دور میں آزمائشوں کا جولا متناہی سلسلہ شروع ہوا ہے اگر محاسبہ کیا جائے تو محبت حسین کے سارے نعرے کھوکھلے ثابت ہوں گے۔

اس جنگ کے مبادیات کیا تھے؟ ہر ذی ہوش سنجیدہ اور دیانت دار شخص سننے کے بعد کہے گا کہ امام اپنے دعویٰ میں حقانیت کے ان مدارج پر فائز تھے جہاں طائر روح پہنچے تو پر بریدہ ہوجائے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ آپ نے ہوس ملک رانی کے پیش نظر اس جنگ میں حصہ لیا؟ اتنی طویل مدت گذرنے کے باوجود ہر دور میں جمہور امت مسلمہ کا آپ کی حقانیت وصداقت پر اجماع رہا اور ہر دیانت دار شخص نے آپ کے تدین وتدبر کے بارے میں گراں قدر رائے دی، مگر آج تک یہ ثابت نہ ہوسکا کہ امام موصوف نے ہوس ملک رانی کے لیے اپنے اہل خانہ کو تاراج کر دیا۔ کسی بھی خارجی عمل کو پرکھنے کے لیے ذات کی ہمہ جہتی کا جاننا لازمی ہوتا ہے۔ پھر آپ کی ذات ستودہ صفات کے بارے میں کیا کہنا۔ صرف یہی بہت ہے کہ عہد رسالت میں پروان چڑھے۔ خاتون جنت اور باب علم وکرامت حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ جہہ سے اکتساب کیا۔ جس کی ماں بنت رسول، جس کا باپ برادرِ رسول اس کی شخصیت کے جملہ گوشے کتنے درخشندہ وتابندہ ہوں گے۔ جس کی رگوں میں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس لہو دوڑ رہا ہو اس کی طرف اس طرح کا ناشائستہ خیال منسوب کرنا بھی منافقت کی دلیل ہوسکتی ہے۔

ذرا ان کردار ہائے کرامت کو دیکھیے:

عـن أبي هريرة ان النبي صلى الله عليه وسلم قال للحسن اللهم اني أحبه فأحبه وأحب من يحبه قال وضمه الى صدره (ابن ماجہ،ص:۱۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن کے بارے میں فرمایا: اے اللہ میں حسن کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی اس کو محبوب رکھ اور جو اس کو محبوب رکھے اس کو بھی محبوب رکھ۔ ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ اوران کو اپنے سینے میں بھینچ یا۔

عـن أبي هريره قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من احب الحسن والحسين فقد أحبني ومن أبغضهما فقد أبغضني (ایضا)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے حسنین سے محبت کی تو یقیناً مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو یقیناً مجھے سے بغض رکھا۔

ان سطور کو پڑھیے اور امام موصوف کی بلند قامت شخصیت کا نکھرتا ہوا چہرہ دیکھیے۔ نیز حضرت یعلی بن مرہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ حضور کے ساتھ کھانے کی کسی دعوت میں تشریف لے جارہے تھے۔ حضور آگے آگے تھے، ایک گلی میں حضرت حسین کھیل رہے تھے۔ آپ اپنا ہاتھ پھیلا کر انہیں پکڑنا چاہ رہے ہیں اور وہ بھاگ رہے ہیں، حضور کے اس عمل سے وہ ہنس رہے ہیں یہاں تک کہ آپ نے ان کو پکڑ لیا۔ پھر اپنا ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی کے نیچے اور دوسرا ان کے سر پر رکھ کر بوسہ دیا اور فرمایا: حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ جس نے حسین کو دوست رکھا اس نے اللہ سے دوستی کی۔ حسین میرے نواسوں میں سے ایک ہے۔ (ابن ماجہ)

نوازش کے اس والہانہ پن کے داخلی محرکات پر تھوڑی دیر رک کر سنجیدگی سے سوچئے اور اندازہ لگائیے کہ جگر گوشہ کا تعلق آقا کی ذات سے کس قدر والہانہ تھا۔

مذکورہ بالا احادیث پڑھیے اوراب واقعہ کے پس منظر پر نظر ڈالتے جائیے۔ کربلا کی دھرتی پر ظلم و بربریت کی داستان کس کے ساتھ دہرائی جارہی ہے؟ کوئی اور نہیں ہے بلکہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے لخت جگر اوران کی آنکھوں کے تارے کے ساتھ دہرائی جارہی ہے، جن کی مدح وثنا میں ''**اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا**'' کا خطاب سرمدی اترا، گویا کربلا کی سرزمین پر فرد سے جنگ نہیں ہورہی ہے بلکہ ایک اجتماعی فکر سے جنگ ہورہی ہے۔ یزید، ابن زیاد، عمرو بن سعد، وغیرہ تشخص سے نہیں لڑرہے ہیں بلکہ نظریہ ارتقائے انسانیت سے لڑرہے ہیں اور جب کوئی نظریہ قتل ہوتا ہے تو اس ایک فرد کی موت نہیں ہوتی، نسل درنسل اس کشت وخون کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ قاتل ایک ہوگا مگر مقتول بے حساب۔ لیجئے توثیق وتائید میں فرمان الٰہی سنیے:

مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نفسٍ أوفَسادٍ في الارضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَاسَ جَمِيعاً وَّمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعاً. (سورۂ مائدہ، آیت ۳۲)

جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو گو گیا اس نے سب کو قتل کیا۔ اور جس نے ایک جان کو جلا لیا تو اس نے گویا سب لوگوں کو جلا لیا۔ (کنزالایمان)

اس متحارب گروہ میں ہر ایک، ایک فکر کے پردے میں جنگ کررہا ہے۔ امام انسانیت کی ترقی اوراسلام کی بقا کے لیے لڑرہے ہیں۔ یزید ننگ انسانیت کے لیے اور مذہب کو بے چہرہ بنانے کے لیے لڑرہا ہے۔ اس لیے آپ کا قتل بنی نوع انسانیت کا قتل ہے۔ یزید آپ کا، آپ کے ہمراہ راہِ وفا میں جان دینے والے عشاقان کرامت ہی کا قاتل نہیں، بلکہ ابدالآباد تک پائے جانے والے اخلاص کا قاتل ہے۔ تصورات کو یکسوئی کے ساتھ اس کربناک اور زہرہ گداز منظر پر نظر مرکوز کیجئے، اوراحساس کیجئے تو حقیقت واقعہ کی منظر کشی کا دل ہلا دینے والا پہلو ابھر کر سامنے آجائے گا۔ دشمنوں

کا نرغہ ہے، بے آب وگیاہ صحرائی وادیوں میں چند خیمے ہیں، جن میں خشیت الٰہی سے لرزنے والے دل، خوف خدا سے کانپنے والے جگر، ہمہ وقت یاد مولیٰ میں بہنے والی آنکھیں ہیں، بھوک سے تڑپتے بچے اور خاندانِ رسالت کی مقدس خواتین کہ جن کے سایہ کو سورج کی کرن بھی نہ دیکھ سکی ہو اس پر مستزاد بے دانہ پانی اور بہ ظاہر بے یارومددگار۔ ایسی کسمپرسی کے عالم میں شرع رخصت کا حکم دیتی ہے مگر ہزاروں رحمتیں نثاران پاکیزہ جاں نثاروں پر کہ درس عمل کا لمحہ لمحہ عزیمت کا آئینہ بن کر نکھر رہا ہے۔ اور دل کے متلاطم سمندر میں خشیتِ مولیٰ کی موجیں جوش مار رہی ہیں۔

یہ سب امت کے لیے درس حیات تھا۔ کیوں کہ بلندیوں پر بار پانے والے لوگ نشیب کی ہر شئے کا بہ خوبی مشاہدہ کرتے ہیں۔ وہ بھی عظمت ورفعت کی ان بلندیوں پر جلوہ فگن تھے کہ مستقبل کے غیر ہموار میدان کے ہر نشیب وفراز کو دیکھ رہے تھے، اب اس کے اثرات کے دائرے میں تھی۔ اسی لیے اصولوں پر ضرب لگانا کسی فرد پر ضرب نہیں ہوتی بلکہ جمعیت پر ضرب ہوتی ہے۔ یزید اور یزیدی اسی جرم وقباحت کے مرتکب ہوئے۔

آج پوری دنیا میں غم حسین کی لہر پائی جاتی ہے۔ مگر کیا حسین اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصول کو نظر انداز کر کے غم کی صحیح تفسیر کی جاسکتی ہے؟ نہیں! مگر دیکھا جاتا ہے کہ جس اسلام کے تحفظ کے لیے آپ نے یہ عظیم قربانی پیش کی اب اس کا صرف نام لیا جارہا ہے۔ اس کے داخلی اثرات کو زائل کیا جارہا ہے۔ حقیقت کو افسانوی رنگ دینے سے حقیقت کا حصول نہیں ہوسکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ حقیقت کو حقیقت کے آئینے میں دیکھا جائے۔ اور اسی تناظر میں اس کو عمل میں لایا جائے، ورنہ آئندہ کی نسلیں اس کو ایک روایت کے علاوہ کچھ نہ سمجھ سکیں گی۔ اور تاریخ کا ایک عظیم ورق جس کی روشنی افق کائنات میں بکھری ہے دھند میں ڈوب جائے گا۔

رفتیم وغم عشق تو در سینہ نہفتیم
باہیچ کسے حالِ دل خویش نہ گفتیم

☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۳۷)......ہم سب کو داغ مفارقت دے کر راہیِ ملک بقا ہوئے۔ اناللہ واناالیہ راجعون۔ مولانا کی ذات حقیقتاً حضرت خاتم المحققین مولانا فضل حق خیرآبادی کی ایک بہت بڑی یادگار تھی، اور آپ کے عہد میں منطق وفلسفہ کا جاننے والا آپ کے مثل کوئی دوسرا نہ تھا حقیقتاً، آپ کا دور کیا ختم ہوا کہ علوم عقلیہ کا زمانہ بھی ختم ہوگیا۔ نہ ویسے علما رہے اب، نہ ان کے جیسے مدرسین، نہ اس قسم کے طلبہ رہے، نہ پڑھنے کے شوقین، اب پڑھنا پڑھانا کیا ہے، ایک قسم کی خانہ پری کرنی ہے۔ جب انتقال پر ملال کی خبر ملی بہت افسوس ہوا کہ آخر وقت میں ہی وہاں حاضر نہ رہ سکا۔ یکم رمضان ۱۳۲۶ھ مولانا کا انتقال ہوا اور رشیدآباد میں آپ کا اسی جگہ مزار ہے جہاں آپ کے بھائی حافظ عنایت احمد صاحب اور صاحبزادہ مولوی اسماعیل صاحب مدفون ہیں۔ (جاری)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۳۳)...... **کچھوچھہ شریف تک:** پنڈوہ شریف کی خانقاہ میں آپ کو حدودِ جون پور کی ولایت عطا کی گئی چنانچہ آپ کچھوچھہ شریف تشریف لائے اور یہاں سے دعوت وتبلیغ اور سلوک ومعرفت کے وہ دریا بہائے جس سے آج تک قوم سیراب ہورہی ہے۔ اس سفر کی روداد بھی دلچسپی سے خالی نہیں، لہٰذا اسے بھی آئندہ پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۲۰)......آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبرانور کو ظاہر کردیا جاتا۔ مگر یہ خدشہ تھا کہ کہیں آپ کی قبر شریف کو مسجد نہ بنالیا جائے۔

اسی طرح امام نووی نے ''شرح صحیح مسلم'' (۱۷/۳، طبع شیجا) اور امام قرطبی نے ''المفهم'' (۱۲۸/۲) میں ذکر فرمایا ہے۔

قارئین کرام! ظاہر وباہر ہوگیا کہ قبور کو مسجد بنانے کا مطلب ان پر یا ان کو سجدہ کرنا ہے، لہٰذا بحث وگفتگو عین قبر کے متعلق ہے۔

بحث وتحقیق

قبور کو مساجد بنانے کا مفہوم ومعنی

تحریر: مولانا محمد عارف منظری ازہری۔ کان پور

مسلمانوں نے صالحین کی تعظیم وتوقیر کا خواہ ان کی دنیوی زندگی میں ہو یا برزخی زندگی میں خاص اہتمام فرمایا ہے، جو مشروع بھی ہے۔ اکثر مسلمان ان کی زیارت کے لیے جاتے ہیں اور ان کی خانقاہوں کو دعاؤں کے قبول ہونے کا مقدس مقام تصور کرتے ہیں۔ جن مساجد کے قریب صالحین کی قبریں ہوں ان میں نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ ممانعت اس وقت سمجھتے ہیں جب کہ قبر کو ہی سجدہ گاہ بنالیا جائے یا قبر کو سامنے لے کر نماز ادا کی جائے۔ در حقیقت اسی ممانعت پر احادیث کریمہ دلالت کرتی ہیں۔ مگر شیخ نجد کے متبعین حدیث پاک میں مذکور ممانعت کو جہاں چاہتے ہیں چسپاں کرتے ہیں، حتی کہ حکم شرک وبدعت بھی جڑ دیتے ہیں۔ ذیل میں ہم اس حدیث کو روایت ودرایت کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

امام بخاری (حدیث رقم ۴۳۵)، امام مسلم (حدیث رقم ۵۳۱)، امام احمد (۲۱۸/۱) اور دیگر ائمہ کرام نے بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تخریج کی ہے: ''**عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنهـا أن رسـول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال في مـرضـه الـذي لـم يـقـم مـنـه: لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا اقبور انبيائهم مساجد.** '' (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری مرض میں ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مساجد بناڈالا)

'اِتَّـخَـذُوْا' جملہ مستانفہ ہے، وجہِ لعن کے لیے بیان کے طور پر آیا ہے، یعنی سوال ہوسکتا ہے کہ وہ لعنت کے کیوں مستحق ہوئے؟ تو جواب دیا گیا: اس لیے کہ انہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

لعنت ایک امر عظیم ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناراضگی کا نتیجہ ہے، لہٰذا لعنت کی وجہ جاننا بے حد لازمی وضروری ہے اور وہ ہے فرمان عالی شان: ''**اتـخـذوا اقبـور أنبيـائهـم مسـاجد** '' انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنالیا۔

ڈاکٹر سعید ممدوح مصری فرماتے ہیں: فعل ''**اتـخـذ**'' کبھی متعدی بیک مفعول ہوتا ہے، جیسا کہ آپ کہتے ہیں '**اتـخـذت سيارة**' یعنی میں نے گاڑی پالی پا لے لی۔ اور کبھی متعدی بدو مفعول ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا﴾ (النساء۱۲۵) (اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا گہرا دوست بنایا)

لہٰذا ''**قبور**'' اور ''**مساجد**'' دونوں ''**اتخذ**'' کے مفعول ہیں، یہاں پر اس فعل نے دو مفعولوں پر اکتفا کیا اور کلام پورا ہوگیا۔ ''**المساجد**''، ''**مسجد**'' کی جمع ہے، اور مسجد اسم مکان ہے، لہٰذا حدیث مکان کو شامل ہے، اور وہ عین قبر ہے، اس پر یا اس کے لیے سجدہ کرنے کی حیثیت سے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ حدیث نفس قبر کے علاوہ کسی دوسری جگہ کو شامل نہیں ہے۔

حضرت امام ابن عبدالبر ''التمہید'' (۴۵/۵)، میں فرماتے ہیں: ''عرب بتوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے اور ان کی عبادت کرتے تھے، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت پر خائف ہوئے کہ آپ کی امت کہیں امم ماضیہ کی روش نہ اختیار کرلے، جب ان کے نبی کا انتقال ہو جاتا تو وہ لوگ قبر کے اردگرد اوندھے ہوجاتے، جیسا کہ بتوں کو کیا جاتا تھا، لہٰذا نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**اللـهـم لاتـجـعـل قبـري وثـنـا يـصـلـى إليه، ويسجد نحوه ويعبد، فقداشتد غضب الله على من فعل ذلک** '' (اے اللہ! میری قبر کو بت پرستی کا مقام نہ

بنا کہ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے، سجدہ کیا جائے اور عبادت کی جائے، یقیناً اللہ تعالیٰ کا سخت غیض وغضب ایسا کرنے والے پر نازل ہوتا ہے)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب اور پوری امت کو پہلی امتوں کی کرتوتوں سے آگاہ اور تنبیہ فرماتے تھے، پہلی امتوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو قبلہ اور سجدہ گاہ بناڈالا، ان کی طرف رخ کر کے نمازیں ادا کرتے، جیسا کہ بت پرستوں نے بتوں کے ساتھ کیا کہ وہ لوگ ان کو سجدہ اور تعظیم کرتے تھے، اور یہ شرک اکبر ہے۔ غرض کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ کوسلم نے پہلی امتوں کے طریقہ کی پیروی پر خائف ہوتے ہوئے اپنے اصحاب کو اللہ عزوجل کے قہر وغضب کے اسباب سے تنبیہ وتحذیر فرمائی۔

امام ابن سعد نے ''**الطبقات الکبری**''میں اسناد صحیح کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی ہے ''**قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ''اللهم لاتجعل قبري وثنا، لعن الله قوما اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد**''(اے اللہ! میری قبر کو پرستش کا مقام نہ بنا، اللہ تعالیٰ اس قوم پر لعنت فرمائے جس نے اپنے انبیا کی قبروں کو مساجد بنا ڈالا)

جملہ ''**لعن اللّٰہُ قوماً**'' بیان ہے ''**جعل القبر وثناً**'' کے معنی کا۔ لہٰذا حدیث کا معنی ہوگا ''**اللهم لاتجعل قبری وثنا یسجد له ویعبد کماسجدقوم لکل قبور أنبيائهم**'' یعنی اے اللہ! میری قبر کو بت پرستی کا مقام نہ بنا کہ اس کو سجدہ کیا جائے اور پوجا جائے، جیسا کہ کچھ لوگوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو سجدہ کیا

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے ''المصنف'' (۲۶۹/۲) میں زید بن اسلم سے بیان کیا ہے اور امام عبدالرزاق نے ''**المصنف**'' (رقم/۱۵۸۷) میں عن معمر، عن زید روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

قبروں کو مساجد بنانے کے بیان معنی میں بہت سارے ائمہ کرام کے اقوال وارد ہیں، بعض ائمہ کرام کے اقوال قارئین عظام کی نظر نواز ہیں:

☆ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں: ''یہود ونصاری انبیا کی قبور کو تعظیماً سجدہ کرتے اور نماز وغیرہ میں بحیثیت قبلہ ان کی طرف رخ کرتے تھے، نیز ان کو بتوں کے قائم مقام بنالیا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو اس سے روکا، لیکن اگر کسی نے کسی نیک اور صالح کے جوار میں مسجد بنائی اور اس کا اس قرب سے مقصد برکت حاصل کرنا ہو، تعظیم اور اس کی طرف رخ کرنا نہ ہو تو وہ اس وعید میں داخل نہ ہوگا''۔

واضح ہوگیا کہ قبر کے متعلق جو وجہ لعن ہے وہ نفس قبر ہے اور اس میں دو امور ہیں: (۱) قبر کو سجدہ کرنا۔ (۲) قبر کو قبلہ بنالینا۔

☆ قاضی عیاض ''**إكمال المعلم**'' (۴۵۰/۲، ۴۵۲) میں فرماتے ہیں: ''جب مدینہ منورہ کی آبادی بڑھی تو مسلمانوں کو مسجد نبوی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی توسیع کی ضرورت پڑی، اس توسیع میں ازواج مطہرات کے حجرے بھی داخل ہو گئے، انھیں میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کا حجرۂ مقدسہ بھی تھا، جس میں آپ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم مدفون ہیں اور یہ توسیع سیدنا عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت میں انجام پذیر ہوئی، اس توسیع میں آپ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کو دیوار سے گھیر دیا گیا، تاکہ مسجد میں آپ کی قبر انور کھلی نہ رہے کہ لوگ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کو مسجد بنانے کی خطا میں مبتلا ہوں جس سے کہ آپ نے خود منع فرمایا۔ نیز ائمہ مسلمین نے نمازیوں کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کا رخ کرنے سے منع فرمایا، کہ کہیں عوام کے دلوں میں آپ کی طرف رخ کر کے بطور عبادت نماز پڑھنے کا تصور نہ آجائے۔ لہٰذا انہوں نے قبر انور کے دونوں شمالی گوشوں کی دیواروں کو کچھ اس طرح مائل کر کے تعمیر کیا کہ دونوں دیواریں شمالی جانب سے زاویہ مثلثہ پر اس طرح مل گئیں کہ حالت نماز میں کسی کے لیے قبر انور کا استقبال ممکن نہ رہا، لہٰذا اسی وجہ سے حدیث پاک میں آیا ہے ''اور اگر یہ خدشہ نہ ہوتا تو...... (باقی صفحہ ۱۸ پر)

تعلیمی مسائل

قسط چہارم

حضرات انبیائے کرام اور علوم عصریہ

طارق انور مصباحی (کیرلا)

علمائے کرام، حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے وارث ہیں اور حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام ،علوم شریعت کے بھی مصدر ومرجع ہوا کرتے اور اپنے عہد کے عصری علوم وفنون میں بھی یکتا اور بے نظیر ہوتے ۔وہ جن وسائل معاش سے منسلک ہوتے ،وہ اس عہد کے تکنیکی فنون(**Technical Arts**) ہوتے ۔ذیل میں حضرت تاجدار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے علوم عصریہ سے واقف وآشنا ہونے کا ذکر ہے۔

حضرت حبیب معظم ﷺ کے متنوع الاقسام علوم وفنون

حضرت سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم و معارف سے متعلق چند ارشادات الٰہیہ درج ذیل ہیں۔

(۱) رب تعالیٰ نے قرآن مقدس سے متعلق فرمایا﴿وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ﴾(سورۃ النحل-۸۹)

ترجمہ: اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔(کنزالایمان)

(۲) حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوا﴿اَلرَّحْمٰنُ-عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ﴾(سورہ رحمٰن-۱،۲)

ترجمہ: رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔(کنزالایمان)

(۳)﴿وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمْ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا﴾(سورہ نساء-۱۱۳)

ترجمہ: اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔(کنزالایمان)

توضیحات

قرآن مجید میں ہر چیز کا بیان ہے اور قرآن کا علم ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا۔لہٰذا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن میں موجود تمام چیزوں کا علم ہے۔خواہ دینی علم ہو یا دنیاوی علم ۔کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام قرآنی علوم سے سرفراز کیا گیا۔قدرے تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) امام محمد بن محمد غزالی شافعی (۴۵۰ھ-۵۰۵ھ) نے لکھا۔"اَ وَمَا بَلَغَکَ اَنَّ الْقُرْاٰنَ ھُوَ الْبَحْرُ الْمُحِیْطُ وَمِنْہُ یَتَشَعَّبُ عِلْمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ کَمَا یَتَشَعَّبُ عَنْ سَوَاحِلِ الْبَحْرِ الْمُحِیْطِ اَنْھَارٌ وَجَدَاوِلُھَا" (جواہر القران للغزالی ص۲۲)

ترجمہ: اور کیا تجھے خبر نہ پہنچی کہ قرآن بحر محیط ہے اور اسی سے اولین وآخرین کے علوم کے چشمے پھوٹتے ہیں جیسا کہ بحر محیط کے کناروں سے ندیاں اور نہریں جاری ہوتی ہیں۔

(۲) دوسرے مقام پر تحریر فرمایا۔"فَتَفَکَّرْفِی الْقُرْاٰنِ وَالْتَمِسْ غَرَائِبَہُ لِتُصَادِفَ فِیْہِ مَجَامِعَ عِلْمِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَجُمْلَۃَ اَوَائِلِہٖ وَاِنَّمَا التَّفَکُّرُ فِیْہِ لِلتَّوَصُّلِ مِنْ جُمْلَتِہٖ اِلٰی تَفْصِیْلِہٖ وَھُوَ الْبَحْرُ الَّذِیْ لَاشَاطِیءَ لَہٗ"(جواہر القران ص۴۷)

ترجمہ: پس قرآن میں غور کرو اور اس کے عجائبات کو تلاش کرو۔اس میں اولین وآخرین کے علم کے خلاصے اور قرآن سے ماقبل کتابوں کا اجمالی علم ہے اور قرآن میں غور وفکر کرنا اس کے اجمال سے اس کی تفصیل تک پہنچنے کے لیے ہے اور قرآن ایسا دریا ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔

(۳) امام جلال الدین سیوطی شافعی (۸۴۹ھ-۹۱۱ھ) نے تحریر فرمایا۔"وَقَالَ ابْنُ اَبِی الْفَضْلِ الْمُرْسِیُّ فِیْ

تَفْسِیْرِہٖ: جَمَعَ الْقُرْاٰنُ عُلُوْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ بِحَیْثُ لَمْ یُحِطْ بِھَا عِلْمًا حَقِیْقَۃً اِلَّا الْمُتَکَلِّمُ بِھَا ثُمَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَلَا مَا اِسْتَأْثَرَ بِہٖ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی ثُمَّ وَرِثَ عَنْہُ ﷺ مُعْظَمَ ذٰلِکَ سَادَاتُ الصَّحَابَۃِ وَاَعْلَامُھُمْ مِثْلُ الْخُلَفَاءِ الْاَرْبَعَۃِ وَابْنُ مَسْعُوْدٍ وَابْنُ عَبَّاسٍ حَتّٰی قَالَ: لَوْضَاعَ لِیْ عِقَالُ بَعِیْرٍ لَوَجَدْتُّہٗ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی ثُمَّ وَرِثَ عَنْھُمُ التَّابِعُوْنَ بِاِحْسَانٍ ثُمَّ تَقَاصَرَتِ الْھِمَمُ وَفَتَرَتِ الْعَزَائِمُ وَتَضَائَلَ اَھْلُ الْعِلْمِ وَضَعَّفُوْا عَنْ حَمْلِ مَا حَمَلَہُ الصَّحَابَۃُ وَالتَّابِعُوْنَ مِنْ عُلُوْمِہٖ وَسَائِرِ فُنُوْنِہٖ-فَنَوَّعُوْا عُلُوْمَہٗ وَقَامَتْ کُلُّ طَائِفَۃٍ بِفَنٍّ مِنْ فُنُوْنِہٖ"(الاتقان فی علوم القرآن ص ۲۷-الہیئۃ المصریہ مصر)

ترجمہ: علامہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن ابی الفضل مرسی (م ۶۵۵ھ) نے اپنی تفسیر میں کہا کہ قرآن نے اولین وآخرین کے علوم کو جمع کرلیا۔اس طرح کہ اس کے تمام علم کا احاطہ اس کے متکلم (رب تعالیٰ) کے علاوہ حقیقت میں کسی نے نہ کیا۔ پھر رب تعالیٰ کے ساتھ مخصوص علم کے علاوہ علوم،حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پایا۔ پھر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بڑے حصہ کی وراثت سادات صحابہ واکابرین صحابہ کو ملی جیسے حضرات خلفاء راشدین وحضرت عبداللہ بن مسعود وحضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم۔ یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر اونٹ کی میری ایک رسی گم ہو جائے تو ضرور میں اسے کتاب اللہ میں پالوں گا۔ پھر صحابہ کرام سے ان کے مخلص تابعین نے علوم قرآن کی وراثت پایا۔ پھر ہمتیں قاصر ہوگئیں اور ارادے سست پڑ گئے اور اہل علم،کم ہمت ہوگئے اور اس کے تمام علوم وفنون کا بوجھ اٹھانے میں کمزور پڑ گئے،صحابہ وتابعین نے جن علوم و فنون کا بوجھ اٹھایا تھا۔ پس لوگوں نے علوم قرآن کی قسمیں نکالا اور ہر جماعت فنون قرآنیہ میں سے کسی ایک فن کے ساتھ مستقل ہوگئی۔

قرآن مجید تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔خواہ دینی علوم ہوں یا دنیاوی علوم۔علماء کرام محض دینی علوم کی تعلیم وتعلم تک محدود ہو چکے ہیں۔دنیاوی علوم سے بھی آشنائی حاصل کریں۔ کیونکہ یہ علوم بھی قرآن میں اجمالی طور پر بیان ہوئے ہیں۔ نیز علماء کرام قرآنی علوم کی وسعت کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کریں اور قرآن پاک کی ہمہ گیریت کو ثابت کرسکیں۔ پھر شریعت اسلامیہ جن علوم وفنون سے منع بھی نہ کرتی ہو،اور وہ علوم وفنون فائدہ مند بھی ہوں تو ایسے مفید وغیر ممنوع علوم سے خود کو محروم رکھنا صحیح ہے یا غلط؟ یہ محرومی قابل مدح ہے یا قابل ذم؟ ہم نے خداوندی نعمتوں کے دروازوں کو خود سے بند کرلیا۔ یہ ضرررساں حکمت عملی ہے۔

(۴)امام احمد بن ادریس قرافی مالکی مصری (۶۲۶ھ-۶۸۴ھ) وعلامہ ابن حجر ہیتمی مکی شافعی (۹۰۹ھ-۹۷۴ھ) نے لکھا

﴿ثُمَّ اَصْحَابُہٗ یَکُوْنُوْنَ فِیْ غَایَۃِ الْعِلْمِ وَالنُّوْرِ وَالْبَرْکَۃِ وَالتَّقْوٰی وَالدِّیَانَۃِ کَاَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ کَانُوْا بَحْرًا فِی الْعُلُوْمِ عَلٰی اَنْوَاعِھَا مِنَ الشَّرْعِیَّاتِ وَالْعَقْلِیَّاتِ وَالْحِسَابِیَّاتِ وَالسِّیَاسِیَّاتِ وَالْعُلُوْمِ الْبَاطِنَۃِ وَالظَّاھِرَۃِ-حَتّٰی یُرْوٰی اَنَّ عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ جَلَسَ عِنْدَ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا یَتَکَلَّمُ فِی الْبَاءِ مِنْ بِسْمِ اللّٰہِ مِنَ الْعِشَاءِ اِلٰی اَنْ طَلَعَ الْفَجْرُ-مَعَ اَنَّھُمْ لَمْ یَدْرُسُوْا وَرَقَۃً وَلَا قَرَؤُوْا کِتَابًا-وَلَا تَفَرَّغُوْا مِنَ الْجِھَادِ وَقَتْلِ الْاَعْدَاءِ وَاِنَّمَا کَانُوْا عَلٰی ھٰذِہِ الْحَالَۃِ بِبَرْکَتِہٖ ﷺ حَتّٰی قَالَ بَعْضُ الْاُصُوْلِیِّیْنَ-لَوْلَمْ یَکُنْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ مُعْجِزَۃٌ اِلَّا اَصْحَابُہٗ،لَکَفَوْہُ فِیْ اِثْبَاتِ نُبُوَّتِہٖ﴾ (انوار البروق فی انواع الفروق ج۸ص۱۲۲-الاعلام بقواطع الاسلام ص ۳۹۷-استنبول)

ترجمہ: پھر اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ السلام کے اصحاب علم، نور، برکت،تقویٰ اور دیانت کے انتہائی درجے میں ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت سید دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرام مختلف قسم کے علوم میں دریا کی طرح تھے۔یعنی علوم شرعیات وعقلیات،علوم حسابیات وسیاسیات،علوم ظاہرہ وعلوم باطنہ میں۔ یہاں تک کہ

روایت آئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھے اور یہ دونوں بسم اللہ کی ''با'' کے بارے میں عشا سے طلوع فجر تک گفتگو کرتے رہے۔ باوجودیکہ یہ حضرات نہ ایک ورق کا سبق لیے، نہ ہی کوئی کتاب پڑھے اور نہ ہی جہاد اور دشمنوں کے مقاتلہ سے فراغت پائے اور صحابہ کرام، حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت ہی سے اس منزل پر پہنچ گئے۔ یہاں تک کہ بعض اصولیوں نے کہا کہ اگر صحابہ کرام کے علاوہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی معجزہ نہ ہوتا تو یہی حضرات (اپنے علوم وفنون کے سبب) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہوتے۔

صحابہ کرام اپنے علوم وفنون کے سبب معجزہ کے قائم مقام ہوگئے۔ کیونکہ اس قدر دینی و دنیاوی علوم کی تعلیم وتربیت کسی نبی صادق سے ہی ممکن ہے اور چونکہ صحابہ کرام علوم وفنون میں انتہائی بلندترین منزل پر فائز تھے۔ اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں ''آسمان ہدایت کے نجوم'' قرار دیا اور غیر مشروط طور پر ان کے اتباع کو ذریعہ ہدایت قرار دیا۔

(۵) ﴿عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ ......قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّهِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ﴾ (مشکوٰۃ المصابیح ص۵۵۴)

ترجمہ: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت سید دو جہاں ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں۔ تم میں ان میں سے جن کی پیروی کروگے، ہدایت پاجاؤ گے۔

مدارس اسلامیہ کا نصاب تعلیم، حالات زمانہ کے موافق نہ ہونے کے سبب فارغین حکومتی ملازمتوں سے بھی محروم قرار پائے اور بہت سے دنیاوی فوائد سے بھی انہیں ہاتھ دھونا پڑا۔ کیوں کہ بہت سی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ دنیاوی تعلیم ہے اور چونکہ یہ محرومی اپنی غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ اس لیے نہ اس کو ''صبر'' کا لقب دینا صحیح ہے، نہ ہی یہ قابل اجر وثواب ہے اور انہی دنیاوی نعمتوں کے حصول کی خاطر خود علمائے کرام بھی اپنے صاحبزادگان کو دینی تعلیم سے منقطع کر چکے ہیں۔ حالانکہ ان قومی رہنماؤں کو مدارس اسلامیہ کے نصاب ونظام میں تبدیلی لانی چاہیے تھی تاکہ مدارس اسلامیہ، دنیاوی واخروی ہر دونوع کی برکات وحسنات کا مرکز بن جاتے اور دنیاوی تعلیم گاہوں کو بھی ''مدارس اسلامیہ'' پر رشک آجاتا۔ آج بھی تبدیلی لائیں اور عمدہ نتائج دیکھ لیں اور یہ تبدیلی خود سے کرنی ہوگی۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ (سورہ رعد-۱۱)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا، جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدل دیں۔ (کنز الایمان)

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے فرمایا تھا کہ بندگان الٰہی اگر ایمان لائیں اور نیک عمل کریں تو انہیں زمین کی خلافت وسلطنت حکومت وبادشاہت عطا کی جائے گی۔ حضرات خلفاء راشدین، مسلمانوں کے امیر المومنین، قوم کے بادشاہ اور سلطنت اسلامیہ کے حاکم وسلطان بھی تھے اور مذہب اسلام کے بہت بڑے عالم وفقیہ بھی تھے۔ ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے عہد تک علمائے اسلام معزز عہدوں پر فائز رہے۔ اب کونسی غلطی ہوگئی کہ ایمان صحیح وعمل صالح کے باوجود علمائے کرام غربت وافلاس اور تنگ دستی کے شکار ہیں۔ درحقیقت سلطنت مغلیہ اور ماقبل سلاطین کے عہد میں علمائے کرام ان علوم سے مزین ہوا کرتے تھے۔ حکومتی عہدوں پر فائز ہونے کے لیے جن علوم وفنون کی ضرورت تھی۔ اب جن علوم کی ضرورت ہے، ان علوم سے علمائے کرام کنارہ کش ہو چکے ہیں۔ پس ان کے لیے صرف مساجد ومدارس کے دروازے کھلے ہوتے ہیں، باقی بند۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ (سورہ نور-۵۵)

ترجمہ: اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا، جیسی ان کے پہلوں کو دی۔ (کنزالایمان)

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو دنیاوی واخروی ہر قسم کی نعمتوں کے حصول کی ترغیب دی اور اسی قسم کی دعا کی تعلیم بندوں کو دی گئی۔ اب لامحالہ ہر قسم کی نعمتوں کے ذرائع کو بروئے کار لانا ہوگا۔ بصورت دیگر محرومی درپیش ہوگی اور اس محرومی کو ''صبر'' کا نام دینا غلط ہوگا۔

﴿رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (سورہ بقرہ-۲۰۱)

ترجمہ: اے رب ہمارے! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچا۔ (کنزالایمان)

رب تعالیٰ نے بندوں کو دنیاوی نعمتوں کی حصول یابی کی جانب بھی ترغیب دلائی ہے۔

﴿فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوْا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (سورہ جمعہ-۱۰)

ترجمہ: پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ، اور اللہ کا فضل تلاش کرو، اور اللہ کو بہت یاد کرو۔ اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔

آیت کریمہ میں دنیا وآخرت کی بھلائیوں کی تحصیل کا طریقہ بتادیا گیا کہ بندگان الٰہی، رب تعالیٰ کی طاعت وعبادت کریں تاکہ اخروی فلاح پاسکیں اور دنیاوی نعمتوں کی تلاش بھی کریں تاکہ مادی فوائد حاصل کرسکیں۔ خیال رہے کہ فقر اضطراری از قسم عذاب ہے۔

فقہائے اسلام نے فرمایا۔ ''مَنْ لَمْ یَعْرِفْ اَھْلَ زَمَانِہٖ فَھُوَ جَاھِلٌ'' یعنی جو اپنے اہل زمانہ کو نہ جانے وہ جاہل ہے۔ پس لازم ہے کہ علمائے کرام کو اہل زمانہ کی معرفت ہو، اور زمانہ کے نشیب وفراز پر ان کی نظر ہو۔ رب تعالیٰ نے بندوں کو تعلیم فرمایا کہ بندہ مجھ سے دنیاوی بھلائیاں بھی طلب کرے اور آخرت کی بھلائیاں بھی۔ اب دونوں مقام کی بھلائیوں کے جو شرائط ولوازم ہیں انہیں ضرور پوری کرنی ہوں گی اور دنیاوی بھلائیوں کی شرائط ولوازم سے طلبائے مدارس کو منقطع کردینا ایک غیر مدبرانہ اقدام ہوگا۔

حضرات انبیا ومرسلین علیہم الصلاۃ والسلام اور عصری علوم

حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ'' (سنن ابی داؤد باب الحث علی طلب العلم)

ترجمہ: علما، حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے وارث ہیں۔

رب تعالیٰ نے حضرات انبیا ومرسلین علیہم الصلاۃ والسلام کو علوم شرعیہ کے علاوہ زمانے کے اعتبار سے معجزات عطا فرمایا مثلاً حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو ایسا معجزہ عطا ہوا جو اس زمانہ کی مروج جادوگری کو مات دے سکے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد مسعود میں طبابت کا چرچا تھا تو حضرت روح اللہ علیہ السلام کو دست شفا دے کر بھیجا گیا۔ آپ مادر زاد اندھوں کی آنکھوں پر دست مبارک پھیرتے تو اس کی آنکھیں منور جاتیں۔ حضرت حبیب محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فصاحت وبلاغت کا شہرہ تھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن مقدس جیسی فصیح وبلیغ کتاب عطا کی گئی کہ آج تک فصحائے عرب وعجم اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ پس جو فرد یا جماعت وارث انبیا ہو یقیناً اس کو اپنے زمانہ کے مروجہ علوم وفنون سے واقف ہونا چاہیے۔ تاکہ وہ قوم کے سامنے اس کے دنیاوی علم وفضل کے سبب مرعوب نہ ہوسکے بلکہ دنیاوی تعلیم یافتگان پر ان کے علم وفضل کا دوہرا رعب طاری ہو۔ دینی تعلیمات کا بھی، اور دنیاوی علم وفضل کا بھی۔ پس کیا تاثیر تبلیغ کے باب میں یہ ایک نسخہ کیمیا نہیں؟ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے علوم عصریہ سے مزین ہونے کی صراحت ذیل میں ہے۔

(۱) رب تعالیٰ نے فصحائے عرب کو قرآن کی ایک سورت کے مماثل لانے کا چیلنج دیا اور فرمایا ﴿وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا

نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ-فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوْا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ (سورہ بقرہ-۲۳،۲۴)

ترجمہ:اور اگر تمھیں کچھ شک ہواس میں جو ہم نے اپنے ان خاص بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ،اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتیوں کو بلالو،اگر تم سچے ہو۔پھر اگر نہ لا سکو، اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لاسکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں،تیار رکھی ہے کافروں کے لیے۔کنزالایمان

(۲) مفسر قرآن قاضی ابن عطیہ اندلسی (م ۵۴۶ھ)،امام قرطبی مالکی (م ۶۷۱ھ)،امام زرکشی شافعی (۷۴۵ھ-۷۹۴ھ) اور امام جلال الدین سیوطی شافعی (۸۴۹ھ-۹۱۱ھ) نے تحریر فرمایا۔

''وَقَامَتِ الْحُجَّةُ عَلَى الْعَالَمِ بِالْعَرَبِ اِذْ كَانُوْا اَرْبَابَ الْفَصَاحَةِ وَمَظَنَّةَ الْمُعَارَضَةِ كَمَا قَامَتِ الْحُجَّةُ فِيْ مُعْجِزَةِ عِيْسٰى بِالْاَطِبَّاءِ وَفِيْ مُعْجَزَةِ مُوْسٰى بِالسَّحَرَةِ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اِنَّمَا جَعَلَ مُعْجِزَاتِ الْاَنْبِيَاءِ بِالْوَجْهِ الشَّهِيْرِ اَبْرَع مَا يَكُوْنُ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ الَّذِيْ اَرَادَ اِظْهَارَهٗ فَكَانَ السِّحْرُ فِيْ مُدَّةِ مُوْسٰى قَدْ اِنْتَهٰى اِلٰى غَايَتِهٖ وَكَذٰلِكَ الطِّبُّ فِيْ زَمَنِ عِيْسٰى وَالْفَصَاحَةُ فِيْ مُدَّةِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ''(تفسیر القرطبی ج۱ص۷۸)

ترجمہ: اہل عرب (کی عاجزی) کے ذریعہ ساری دنیا پر حجت قائم ہوگئی۔کیوں کہ اہل عرب اس وقت اہل فصاحت اور معارضہ کی امید گاہ تھے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ میں طبیبوں کے خلاف حجت قائم ہوئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ میں جادوگروں پر حجت قائم ہوئی۔اس لیے کہ رب تعالیٰ نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات کو اس مشہور چیز کے اعتبار سے مقرر فرمایا،جس چیز میں اس نبی کے زمانے میں خوب مہارت ہو،جس نبی کو ظاہر کرنے کا ارادہ فرمایا ہو۔پس جادوگری حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اپنے انتہائی عروج کو پہنچ چکی تھی اور اسی طرح طبابت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اور فصاحت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں۔

اقوام عالم کی رہنمائی کے لیے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا انتخاب خود رب تعالیٰ فرماتا ہے اور سنت الٰہیہ یہ تھی کہ ہر نبی کو ایسا معجزہ عطا ہو جو اس زمانہ کا مشہور ومعروف،عروج پر پہنچا ہوا علم وہنر ہو،اور خوب مہارت والے فن کے مماثل معجزہ عطا فرمایا جاتا۔تاکہ نبی کو اہل زمانہ پر ظاہری فوقیت بھی حاصل رہے۔اب رہنماؤں کا انتخاب ہمارے ذمہ ہے کہ قوم کے بچوں کو دینی تعلیم سے مزین وآراستہ کرکے ہم قوم کی رہنمائی کے لیے بھیجتے ہیں تو کیا سنت الٰہیہ کے پیش نظر ہم پر یہ لازم نہیں ہوتا کہ ہم قوم کی رہنمائی کے لیے منتخب ان بچوں کو ان علوم وفنون سے آراستہ کردیں،جن علوم وفنون کا چرچا اور شہرہ ان لوگوں کے درمیان ہے،جن کی رہنمائی کے لیے یہ بچے تیار ہورہے ہیں۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ عہد حاضر میں علوم عصریہ اپنے عروج پر ہے۔پس یہ طلبا،علوم دینیہ کے ساتھ علوم عصریہ پر بھی دسترس اور مہارت رکھیں تاکہ قوم پر ان کا تفوق ظاہر ہو۔جس طرح حضرات انبیائے کرام علیہم السلام علم شریعت ومعرفت الٰہی کے ساتھ اپنے زمانہ کے علوم عصریہ سے بھی سرفراز ہوتے۔مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو طبابت کا درجہ بلند عطا ہوا۔حضرت خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فصاحت وبلاغت کا رتبہ علیا عطا ہوا۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا''اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ''(جامع الترمذی باب الغنیمۃ)''اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ'' (التلخیص الحبیر للعسقلانی ج۴ص۱۴)''اَنَا اَعْرَبُ الْعَرَبِ''(المعجم الکبیر للطبرانی ج۶ص۳۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں جادوگر رسیاں پھینکتے اور وہ سانپ بن جاتیں تو آپ کو یہ معجزہ عطا ہوا کہ آپ اپنا عصا پھینکتے

تو وہ اژدہا بن جاتا۔ طبابت، فصاحت و بلاغت وغیرہا علوم عصریہ تھے، نہ کہ علوم شرعیہ۔ جب حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی علوم عصریہ میں بے نظیر مہارت کاملہ عطا کی گئی تھی تو پھر وارثین انبیا کو بھی علوم عصریہ سے مزین ہونا سنت الٰہیہ کے موافق ہے یا نہیں؟ کیا رب تعالیٰ کے دستور اور طریقہ کار سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رہنما اپنے عہد کے عصری علوم سے بھی آراستہ ہوں؟ نصاب تعلیم میں تبدیلی خود سے کرنی ہوگی یا اس بارے میں وحی آئے گی؟

حضرات انبیا و مرسلین علیہم السلام کے ذرائع معاش

حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی معاش کے لیے عملی اقدام فرمایا۔ اعلان نبوت سے قبل ہی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے وکیل ہو کر تجارت کرتے تھے۔ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ بھی تجارتی سفر فرمائے۔ یہ سنت مصطفوی علما کے لیے موجب برکات وحسنات ہے۔

حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام تحصیل معاش کے لیے مختلف قسم کے پیشوں سے منسلک رہتے اور تبلیغ مذہب یا تعلیم دین پر اجرت نہیں لیتے۔ بلکہ اس بات کا اعلان بھی فرماتے۔ قرآن مقدس میں بہت سے انبیائے کرام کا اعلان نامہ بابت عدم اجرت منقول ہوا۔ تاکہ تبلیغ و تعلیم مؤثر ہو سکے۔ وعظ و نصیحت پر اجرت کے سبب اثر آفرینی کا مادہ مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ ہمارے رسول ﷺ کو بھی رب تعالیٰ کی وحی آئی کہ عدم اجرت کا اعلان فرمائیں۔ ''قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا'' (سورۃ الانعام-۹۰)

کیا وارثین انبیا کو تعلیم دین کے علاوہ دیگر پیشہ جات سے منسلک ہونا ننگ و عار کا سبب ہوگا؟ رب تعالیٰ نے حضرات مرسلین علیہم السلام کو پاکیزہ رزق کھانے کا حکم فرمایا۔ ارشاد الٰہی وارد ہوا۔ ''یَآ اَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا'' (سورہ مومنون-۵۱)

ترجمہ: اے مرسلین علیہم السلام! آپ پاکیزہ رزق کھائیں اور نیک عمل کریں۔

توضیح: حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے اور معاش کیلئے کوئی ذریعہ اختیار فرماتے۔ چند انبیائے کرام علیہم السلام کے ذرائع معاش مرقومہ ذیل ہیں۔

(۱)''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهٗ قَالَ لِرَجُلٍ جَالِسٍ عِنْدَهٗ وَهُوَ یُحَدِّثُ اَصْحَابَهٗ-''اُدْنُ مِنِّیْ''فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ: اَبْقَاکَ اللّٰهُ وَاللّٰهِ مَا اَحْسَنَ اَنْ اَسْأَلَکَ کَمَا سَأَلَ هٰؤُلَاءِ-فَقَالَ: اُدْنُ مِنِّیْ-فَاُحَدِّثُکَ عَنِ الْاَنْبِیَاءِ الْمَذْکُوْرِیْنَ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ-اُحَدِّثُکَ عَنْ آدَمَ اَنَّهٗ کَانَ عَبْدًا حَرَّاثًا وَاُحَدِّثُکَ عَنْ نُوْحٍ اَنَّهٗ کَانَ عَبْدًا نَجَّارًا وَاُحَدِّثُکَ عَنْ اِدْرِیْسَ اَنَّهٗ کَانَ عَبْدًا خَیَّاطًا وَاُحَدِّثُکَ عَنْ دَاوٗدَ اَنَّهٗ کَانَ عَبْدًا زَرَّادًا وَاُحَدِّثُکَ عَنْ مُوْسٰی اَنَّهٗ کَانَ عَبْدًا رَاعِیًا وَاُحَدِّثُکَ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ اَنَّهٗ کَانَ عَبْدًا زَرَّاعًا وَاُحَدِّثُکَ عَنْ صَالِحٍ اَنَّهٗ کَانَ عَبْدًا تَاجِرًا وَاُحَدِّثُکَ عَنْ سُلَیْمَانَ اَنَّهٗ کَانَ عَبْدًا اٰتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْکَ وَکَانَ یَصُوْمُ فِیْ اَوَّلِ الشَّهْرِ سِتَّةَ اَیَّامٍ وَفِیْ وَسْطِهٖ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ وَفِیْ آخِرِهٖ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ وَکَانَتْ لَهٗ تِسْعُ مِأَةِ سَرِیَّةٍ-وَثَلَاثُ مِأَةِ فِهْرِیَّةٍ-وَاُحَدِّثُکَ عَنِ ابْنِ الْعَذْرَاءِ الْبَتُوْلِ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ اَنَّهٗ کَانَ لَایَخْبَأُ شَیْئًا لِغَدٍ وَیَقُوْلُ-''اَلَّذِیْ غَدَانِیْ، سَوْفَ یَعْشِیْنِیْ-وَالَّذِیْ عَشَانِیْ، سَوْفَ یَغْدِیْنِیْ''یَعْبُدُ اللّٰهَ لَیْلَةً کُلَّهَا یُصَلِّیْ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَهُوَ بِالنَّهَارِ سَائِحٌ-وَیَصُوْمُ الدَّهْرَ کُلَّهٗ وَیَقُوْمُ اللَّیْلَ کُلَّهٗ-وَاُحَدِّثُکَ عَنِ النَّبِیِّ الْمُصْطَفٰی ﷺ اَنَّهٗ کَانَ یَرْعٰی غَنَمَ اَهْلِ بَیْتِهٖ بِاَجْیَادٍ-وَکَانَ یَصُوْمُ، فَنَقُوْلُ-لَایُفْطِرُ-وَیُفْطِرُ فَنَقُوْلُ-لَایَصُوْمُ-وَکُلُّهَا مَارَأَیْنَاهُ صَائِمًا-وَیَصُوْمُ مِنْ کُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ-وَکَانَ اَلْیَنَ النَّاسِ جَنَاحًا-وَاَطْیَبَهُمْ خَبَرًا وَاَطْوَلَهُمْ عِلْمًا-وَاُخْبِرُکَ عَنْ حَوَّاءَ اَنَّهَا کَانَتْ

تَغْزِلُ الشَّعْرَ فَتَحُوْلُهُ بِيَدِهَا-فَتَكْسُوْا نَفْسَهَا وَوُلْدَهَا-وَاِنَّ مَرْيَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ كَانَتْ تَصْنَعُ ذٰلِكَ ‘‘ (المستدرک علی الصحیحین ج۲ص۶۵۲)

(۲)’’عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ-كَانَ زَكَرِيَّا عَبْدًا نَجَّارًا‘‘ (مسلم باب من فضائل زکریا علیہ السلام)

(۳) فقیہ ابواللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی حنفی (م۳۷۳ھ) نے تحریر فرمایا’’يُرْوٰى عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَاكُلُ مِنْ غَزَلِ اُمِّهٖ-وَكَانَ رِزْقُ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَ اَطْيَبُ الطَّيِّبَاتِ الْغَنَائِمُ‘‘ (تفسیر بحر العلوم ج۲ص۵۸۲)

احادیث مذکورہ کا مفہوم

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کھیتی کرتے تھے۔حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی اور حضرت ادریس علیہ السلام درزی کا کام کرتے تھے۔حضرت صالح علیہ السلام تجارت کرتے۔حضرت سلیمان علیہ السلام کو بادشاہت عطا ہوئی۔حضرت داؤد علیہ السلام زرہ سازی کرتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اون بنتیں اور ماں ،بیٹا اسی سے کھاتے۔حضرت حوا رضی اللہ عنہا بھی اون بنتی تھیں۔مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کے بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رزق مال غنیمت قرار دیا اور جہاد کو افضل کسب قرار دیا گیا۔کیوں کہ اس میں اسلام کی سربلندی بھی ہے اور مال طیب کا حصول بھی۔لیکن موجودہ زمانہ کی دہشت گردی ’’اسلامی جہاد‘‘ نہیں اور اہل سنت و جماعت کے لوگ اس میں شریک بھی نہیں بلکہ غور وفکر بعد یہی ظاہر ہوتا ہے کہ دہشت گردوں کے’’ ماسٹر مائنڈ‘‘ غیر مسلم مفکرین ہیں جو اسلام کی شبیہ کو خراب کرنے کے لیے پر جوش مسلم نو جوانوں کو غلط راہ پر لگا چکے ہیں۔اب ان نو جوانوں کی صحیح فکری رہنمائی کی ضرورت ہے۔تاکہ اہل عالم’’ دین اسلام‘‘ کی حقیقت سے واقف ہوسکیں۔اسلام’’ سلامتی کا مذہب‘‘ ہے، نہ کہ دہشت گردی کا۔

حضرت حبیب محتشم ﷺ کے ذرائع معاش

(۱) مفسر اسماعیل حقی استنبولی حنفی (م۱۱۲۷ھ) نے تحریر فرمایا ’’اَفْضَلُ الْكَسْبِ الْجِهَادُ وَهُوَ حِرْفَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ النُّبُوَّةِ وَالْهِجْرَةِ ثُمَّ التِّجَارَةُ بِشَرْطِ الْاَمَانَةِ بِحَيْثُ لَا يَخُوْنُ عَلٰى مِقْدَارِ حَبَّةٍ اَصْلًا ثُمَّ الْحِرَاثَةُ ثُمَّ الصِّنَاعَةُ‘‘ (تفسیر حقی ج۸ص۳۲۲)

ترجمہ: سب سے افضل کسب (ذریعہ معاش) جہاد ہے اور یہ اعلان نبوت اور ہجرت کے بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پیشہ تھا۔پھر تجارت بشرطیکہ ایک دانہ برابر بھی خیانت نہ کرے۔پھر کھیتی ،پھر صنعت گیری (دست کاری)۔

(۲) امام عبد الرؤف مناوی (۹۵۲ھ-۱۰۳۱ھ) نے تحریر فرمایا’’ثُمَّ التِّجَارَةُ لِاَنَّ الصَّحَابَةَ كَانُوْا يَكْتَسِبُوْنَ بِهَا‘‘.

ترجمہ: پھر تجارت افضل ذریعہ معاش ہے۔اس لیے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تجارت کے ذریعہ کسب معاش فرماتے۔(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج۲ص۴۲۴)

حضرت سرور دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعلان نبوت سے قبل تجارت فرماتے تھے اور حضرات صحابہ کرام کا ذریعہ معاش بھی تجارت تھی،خصوصاً خلفاء راشدین حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم وحضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تجارت کرتے تھے۔حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔امام عبد الرؤف مناوی نے افضل ذرائع معاش کو شمار کراتے ہوئے فرمایا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تجارت فرمایا کرتے تھے۔اب علماء کرام کو بھی تجارت ،صنعت وحرفت وغیرہ سے متعلق ہونا مفید ہوگا۔فقہائے اسلام نے محض بوجہ ضرورت تعلیم دین اور امامت وغیرہ پر اجرت کو جائز قرار دیا، ورنہ دراصل یہ سب ممنوعات میں سے ہیں۔فقہ کی کتابوں میں تفصیلات مرقوم ہیں۔رب تعالیٰ علمائے دین کے لیے معیشت کے عمدہ اسباب مہیا فرمادے۔آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

حضرت سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمہ اللہ

ایوان سمنان سے بنگال کی خانقاہ تک کے سفر کی داستان

مولانا عبدالخبیر اشرفی مصباحی☆

سلطان سید ابراہیم سمنانی نور بخشی ابن سلطان سید عماد الدین نور بخشی ۷۴۵ھ کے آس پاس رونق آرائے تخت شاہی ہوئے۔ سلطان ابراہیم نیک طبیعت، خلیق، متقی اور پرہیزگار سلطان تھے، انھوں نے شہر سمناں کو بہت ترقی دی، گلزار مملکت کو عدل وداد سے سیراب کیا، رعایا و برایا کے رفاہ وفلاح کی فکر رکھتے تھے، علوم دینی کی طرف بہت توجہ تھی، انکے عہد میں بارہ ہزار طالب علم علوم وفنون میں کامل وفاضل ہوکر فارغ التحصیل ہوئے، وہ فقرا ومشائخ، علما وفضلا کے عقیدت مند تھے اور سمنان کی مشہور خانقاہ سکا کیہ انھوں نے بنوائی، جس کو ۱۶ برس شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی نے آباد رکھا'' [لطائف اشرفی مترجم، ج:۱، ص:۳۴]

یہ علم دوست متقی و پرہیزگار بادشاہ، کوئی اور نہیں، غوث العالم محبوب یزدانی حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ کے والد محترم تھے، جن کے گھر میں برسوں کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی، اپنا خلف اور اپنے وارث کی تمنا لیے رب قدیر کی بارگاہ میں ہمیشہ دعا گو اور خدا رسیدہ علما ومشائخ سے ہمیشہ دعا جو رہتے تھے- اللہ کا کرم ہوا، نیکوں کی دعائیں باب اجابت تک پہنچیں، سید اشرف بطن مادر سے آغوش مادر میں تشریف لائے، بڑی دھوم دھام سے جشن ولادت منائی گئی، عمر کے ساتھ والد محترم کی تمنائیں بھی بڑھتی گئیں، وہ اپنے راج دلارے کو عالم تصور میں، کبھی عالم وفاضل، کبھی صوفی ودرویش، کبھی مصنف ومناظر اور کبھی حاکم وبادشاہ کے روپ میں دیکھنے لگے- اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ ساری تمنائیں ایک ذات اشرف میں پوری فرمادیں۔

تحصیل علم: جب عمر مبارک چار سال چار ماہ چار دن کی ہوئی تو اس وقت کے جلیل القدر عالم دین مولانا عماد الدین تبریزی علیہ الرحمہ نے بسم اللہ پڑھائی، شاہانہ تزک واحتشام کے ساتھ تسمیہ خوانی کی گئی۔ اس طرح مولانا عماد الدین تبریزی علیہ الرحمہ سید اشرف علیہ الرحمہ کے پہلے استاذ ہوئے۔

حضرت مخدوم سمناں علیہ الرحمہ بہت ذہین تھے، جو سنتے وہ یاد ہوجاتا اور جو یاد کرلیتے وہ ازبر ہوجاتا، اس لیے نہایت قلیل مدت میں جملہ مروجہ علوم وفنون سے فارغ التحصیل ہوگئے - چنانچہ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: ''حضرت محبوب یزدانی چار برس چار مہینہ چار دن کے سن میں مکتب خانۂ تعلیم میں تشریف لائے- پانچ برس کی عمر میں ساتوں قرأت کے ساتھ قرآن عظیم حفظ کیا، سات مہینہ ۲۶ر دن میں یہ کمال حاصل کیا تھا- جب سن شریف سات سال کو پہنچا نکات علمی اس خوبی کے ساتھ بیان فرماتے تھے کہ بڑے بڑے علما سن کے عش عش کر جاتے تھے، بارہ برس کی عمر میں علوم معانی وبلاغت، معقول ومنقول، تفسیر وفقہ اور حدیث واصول جملہ علوم سے فارغ ہوئے، دستار فضیلت سر اقدس پر باندھی گئی، فن حدیث میں حضرت محبوب یزدانی نے حضرت امام عبد اللہ یافعی، حضرت نجم الدین کبریٰ کے صاحب زادے، بابا مفرح شاگرد بابا فرح محدث اور حضرت مولانا احمد حقانی سے سند پائی، اسی طرح ہر علوم فقہ وتفسیر اور معقول ومنقول وغیرہ میں بڑے علمائے جلیل القدر سے تعلیم پائی- [صحائف اشرفی: مرجع سابق، ۱۱۴، ملخصا]

حکمرانی وجہاں بانی: ابھی تحصیل علوم سے فارغ ہوئے زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا تھا کہ والد محترم کا سایہ سر سے اٹھ گیا، بادشاہت وسلطنت کی ذمہ داری سر پر آپڑی، اس وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی، آپ نے دس سال حکومت کی، پچیس سال کی عمر میں ترک سلطنت کرکے مرشد کی تلاش میں ہندوستان روانہ ہوئے۔

☆ صدر المدرسین مدرسہ عربیہ اہل سنت منظر اسلام، التفات گنج امبیڈکر نگر

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ عادل ، نیک دل، منصف مزاج اور بیدار مغز حکمراں تھے، بچپن سے بادشاہی اپنے گھر میں دیکھی تھی، ایک عظیم بادشاہ کی گود میں پلے بڑھے تھے، اس لیے حکمرانی کے اصول وضوابط سے باخبر تھے۔ چنانچہ آپ کے دور حکمرانی کا یہ واقعہ آپ کی ذہانت وعدل گستری پر بین ثبوت ہے:

لطائف اشرفی مترجم کے مقدمہ میں ہے:''ایک مرتبہ سلطان نے دوتین روز صیدگاہ میں قیام کیا، ، ایک بوڑھی عورت داد طلب آئی کہ سپاہیوں نے اس کا دہی زبردستی چھین لیا ہے، بادشاہ نے حکم دیا:''ملزم کی شناخت کرو' ' شکاری حاضر کئے گئے، ملزم ان میں نہ تھا، اتفاقا اسی وقت ایک سوار شکار لیے ہوئے دور سے آتا نظر آیا، ضعیفہ نے کہا کہ: یہی ظالم میرا دہی لے گیا ہے، سوار سے دریافت کیا گیا تو اس نے جرم سے انکار کیا، گواہ طلب کیے گئے، بوڑھیا کوئی شہادت نہ پیش کرسکی ، بادشاہ نے فرمایا کہ: میں ایک حکمت سے اس کا جھوٹ سچ دریافت کیے لیتا ہوں، چند مکھیاں ملزم کو کھلائی گئیں، فورا استفراغ ہوا، دہی اس وقت ہضم نہ ہوا تھا، باہر نکل آیا، جرم ثابت ہوگیا، گھوڑا مع زین کے معاوضہ میں دلایا اور سوار کی خوب مرمت کی گئی''[مقدمۂ لطائف اشرفی ترجمہ شاہ عبد الحی اشرف کچھوچھوی، ج:۱،ص:۳۸]

آپ نے اپنے دور حکومت میں جہاد کا شرف بھی حاصل کیا، ایران کی سلطنت سرحد مغلستان سے ملی ہوئی تھی، وہاں کا بادشاہ کافر تھا، اس نے ایران پر چڑھائی کردی ، کفار کا مجمع کثیر تھا، مگر فتح و نصرت اسلامی فوج کو نصیب ہوئی، اس جنگ میں پچاس ہزار کے قریب مغل مقتول ہوئے۔

آپ کی ایام حکمرانی کی باتیں مختلف کتابوں میں بکھری ہوئی ہیں اگر انھیں یکجا کردی جائیں، تو کمانڈروں، فوجی سپہ سالاروں اور حکمراں طبقہ کے لیے سامان ہدایت بن جائیں۔

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ کو کار جہاں بانی نے یاد خدا سے غافل نہیں کیا، آپ امور سلطنت کی بجا آوری کے باوجود، فرائض وواجبات اور سنن ونوافل کی مکمل پابندی فرماتے تھے، اہل سلوک ومعرفت کی ہم نشینی کے مواقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے، دربار میں آنے والے سائل کو حاجت سے زیادہ عطا فرماتے تھے- چنانچہ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:''حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی فرماتے ہیں کہ ایام سلطنت رانی میں اگرچہ حضرت محبوب یزدانی امور ملکی کا شغل رکھتے تھے، لیکن پابندیِ ادائے فرائض اور سنن وواجبات اور نوافل یہاں تک کرتے تھے کہ آدابِ ارکان شریعت آپ سے ترک نہیں ہوتے تھے، اور کبھی کسی سائل کو اپنی درگاہ عالم پناہ سے بغیر کچھ دیے خالی رخصت نہیں کیا-''[صحائف اشرفی، ج:۱،ص:۷۰، ادارہ فیضان اشرف، دارالعلوم محمدیہ ممبئی]

ترک سلطنت: حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ ظاہر میں تو حکمراں وبادشاہ تھے، مگر آپ کی کامل توجہ سلوک ومعرفت کی طرف تھی، آپ اپنے دل میں ایک کسک محسوس کرتے تھے، سکون کی تلاش وجستجو میں تھے، اس لیے زیادہ تر حضرت علاء الدولہ سمنانی اور کبھی شیخ عبد الرزاق کاشانی کی خدمت میں بیٹھا کرتے تھے، جوں جوں اولیا کی صحبت میسر آتی گئی، اضطرابی کیفیت میں اور بھی اضافہ ہوتا چلا گیا کیوں کہ کاتب تقدیر نے آپ کا انتخاب کسی اور کام کے لیے کیا تھا اور آپ کا حصہ کسی اور کے پاس رکھا ہوا تھا، اس لیے آپ کو کسی کے پاس تشفی نہیں ہوتی تھی بلکہ تڑپ اور جستجو اور تیز ہوتی جاتی تھی ، ایک رات خواب میں حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے ، فرمایا:''اشرف ! سلطنت کے امور کے ساتھ اس کام کو سرانجام دینا بہت مشکل ہے اگر دوست کا وصال چاہتے ہو تو اٹھو اور ہندوستان جاؤ کیونکہ تمہارا ہادی ومرشد شیخ علاء الحق والدین رحمۃ اللہ تعالی علیہ وہاں ہیں ، یہ سنتے ہی آپ نے سلطنت کو خیر آباد کہہ دیا-[مراۃ الاسرار،ص:۱۰۴۵]

صحائف اشرفی کے مصنف کی یہ تحریر پڑھئے اور جس مرشد کی بارگاہ میں حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر کو بھیجا جارہا تھا ان کی

عظمت وشان ملاحظہ کیجیے: ''اے اشرف !اگر تختِ سلطنتِ دیدارِ خدا چاہتے ہواور گل مقصود، گلزارِ معبود سے چننا چاہتے ہوتو اٹھواور ہندوستان کی طرف رخ کرو کہ وہاں میرے دوستوں میں سے ایک دوست رہتے ہیں، انھیں کے باغ ولایت سے تمہارا گل مقصود ملے گا، ان کی ولایت لانہایت سے عالم بھرا ہوا ہے، انکی عنایت بے غایت کی مقراض، عالم اور بنی آدم سے گمراہی کو تراش رہی ہے- گروہِ اخیاران کو صاحبِ قدم کہتے ہیں، گروہِ ابراران کو واجبِ قدم کہتے ہیں، اوتادان کو یحییٰ صادق کہتے ہیں، ابدال ان کو عیسیٰ نفس کہتے ہیں، اصحابِ وجدان اور اربابِ عرفان ان کو شیخ علاء الحق والدین گنج نبات، بعض آدمی ان کو شیخ علاء الدین تل کہتے ہیں، عالم ملکوت میں ان کو موسیٰ آثار کہتے ہیں، عالم جبروت میں ان کو خلیلِ انوار کہتے ہیں اور عشاق ان کو یوسف ثانی کہتے ہیں جبکہ میں خضر ان کو خُلقِ محمد کہتا ہوں'' [صحائف اشرفی، حصہ اول، ص:۷۱،۷۲]

آغاز سفر: مرأۃ الاسرار کے مصنف لکھتے ہیں: ''کمالِ ہمت و جواں مردی سے ملک سمناں سے نکل کھڑے ہوئے، شیخ علاء الدولہ سمنانی نے چند منزل تک آپ کا ساتھ دیا اور نہایت قیمتی سبق سیکھانے کے بعد رخصت کیا، سمرقند تک آپ کے ساتھ بہت سے لوگ تھے، وہاں سب کو رخصت کرکے اکیلے اوچ شریف پہنچے-'' [مراۃ الاسرار ص:۱۰۴۵، مصنفہ شیخ عبدالرحمان چشتی]

مخدوم جہانیاں سید جلال الدین سے ملاقات: اوچ شریف میں مخدوم سید جلال الدین المعروف بہ جہانیاں جہاں گشت علیہ الرحمہ سے سید اشرف جہانگیر علیہ الرحمہ کی ملاقات ہوئی، مخدوم جہانیاں جہاں گشت بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ نے آپ سے بہت کچھ حاصل کیا ہے اور آپ کی مدح وثناخوانی کی ہے- چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''میں اکثر بزرگان دین کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، لیکن جس قدر حقائق ومعارف اور دقائق وعوارف اور خوارقِ عادتِ سنیہ اور اطوارِ معاملاتِ یقینیہ حضرت مخدوم جہانیاں سے صادر ہوئے ہیں، متاخرین میں سے کسی بزرگ سے نہیں ہوئے، آپ مظہر العجائب و مصدر الغرائب تھے اور اپنے اجداد کرام کے ورثہ سے مشرف تھے''-[مراۃ الاسرار ص:۹۷۰ مطبوعہ مکتبہ جامع نور]

جب باریابی ہوئی تو فرمایا: ''سلطنت چھوڑ کر آئے ہو، بڑا مردانہ کام کیا ہے، یہ ہمت مبارک ہو''پھر آپ نے انھیں تین رات مہمان بنا کر رکھا اور خلوت میں شرفِ باریابی بخشی، ان تین راتوں میں حضرت مخدوم سید اشرف نے کیا دیکھا اور کیا پایا ان ہی کی زبانی ملاحظہ کریں:

''جب یہ فقیر پہلی مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ نے قطبیہ اور غوثیہ نوعیت کے قسم وقسم کے مقامات ودرجات عطا فرمائے، پہلی رات جب آپ کی اجازت سے میں آپ کی خلوت گاہ میں داخل ہوا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ: آپ کے جسم کے اعضا علیحدہ ہوکر سات مقامات پر پڑے ہیں، اور ہر عضو مختلف زبانوں میں حق تعالیٰ کی لاتناہی تسبیح وحمد بیان کررہا ہے، یہ دیکھ کر میں گھبرایا، آپ نے اپنی اصلی حالت میں آکر فرمایا: 'یہ مقام تجھے مبارک ہو'- دوسری مرتبہ جب خلوت میں حاضر ہوا، تو آپ کا جسم تجلی اسم الٰہی ''یا بسیط'' کی وجہ سے اس قدر وسیع ہو چکا تھا کہ پورا کمرہ آپ کے جسم سے بھر گیا تھا، بلکہ سوراخوں سے بھی گوشت باہر نکل رہا تھا، تھوڑی دیر کے بعد آپ نے اپنی اصلی حالت میں آکر فرمایا: 'یہ مقام بھی تجھے مبارک ہو- تیسری مرتبہ جب میں خلوت میں گیا، تو آپ کا جسم مبارک شیشے کی طرح لطیف اور مصفا ہو چکا تھا، اور خوردترین ذرات بھی سارے جسم کے نظر آرہے تھے، کچھ دیر کے بعد آپ اپنی حالت میں آئے اور فرمایا: 'برادرم سید اشرف! یہ تجھے مبارک ہو، رخصت کے وقت آپ نے حلقۂ اصحاب میں ذکر جہری اور تمام حاجات کے لیے تعویذ غفوری عنایت فرمایا، نیز فرمایا کہ: 'میرے اور تمہارے درمیان محبت ازلی اور اُنس لم یزل واقع ہو چکا ہے جس میں دوری یا نزدیکی سے کوئی فرق نہیں پڑتا'- [دیکھئے: مرأۃ الاسرار، ص:۹۷۲،۹۷۳، لطائف اشرفی ومکتوبات اشرفی وغیرہ]

مذکورہ اقتباس سے اندازہ ہوا کہ حضرت مخدوم سمنانی علیہ الرحمہ نے مخدوم بخاری علیہ الرحمہ سے کیا کیا نعمتیں حاصل کیں۔

دہلی ورود مسعود: حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر علیہ الرحمہ کو رخصت کرتے وقت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ الرحمہ نے کہا تھا: 'اب توقف مناسب نہیں ہے، میرے بھائی علاء الدین منتظر ہیں، منزل مقصود سے پہلے کہیں اقامت نہ کرنا'- چنانچہ اوچ شریف سے حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر علیہ الرحمہ پیادہ پا روانہ ہوئے، منزل بہ منزل سفر کرتے ہوئے دہلی پہنچے، یہاں ایک نہایت حسین وجمیل یوسف صورت نوجوان سے ملاقات ہوئی، یہ نوجوان اس وقت دہلی کے صاحب ولایت تھے، تاریخ کے اوراق اس نوجوان کے بارے میں زیادہ تفصیل بتانے سے خاموش ہیں، انھوں نے کہا: اشرف! خوش آمدید، مگر ہوشیار! راستے میں اقامت نہ کرنا، میرے بھائی علاء الدین تمہارے منتظر ہیں- حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر علیہ الرحمہ پر عجیب کیفیت طاری تھی، شوق دیدارِ یار میں گم اپنے منزل کی طرف رواں تھے، نہ گردش ایام کی خبر نہ مصائب وآلام سفر کی پرواہ، اپنی منزل کی طرف بڑھے چلے جارہے تھے- ادھر حضرت خضر علیہ السلام مرشد غوث العالم شیخ علاء الحق پنڈوی علیہ الرحمہ سے کہہ رہے تھے کہ: ''سمنان کا ایک شاہباز پرواز کر چکا ہے اور تمام مشائخ وقت نے اپنے جال بچھا دیئے ہیں، لیکن میں اسے تمہارے پاس لا رہا ہوں'' یہ پیغام آپ نے شیخ علاء الحق علیہ الرحمہ کو ستر بار سنایا تھا- [دیکھئے: مراۃ الاسرار ص:۱۰۴۶]

حضرت سید اشرف جہانگیر علیہ الرحمہ چلتے چلتے منیر شریف بہار پہنچ گئے، یہاں مخدوم الملک سید شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ کی روح پرواز کر چکی تھی اور بوقت وصال اپنے اصحاب سے وصیت کی تھی کہ: خبردار! کوئی میری نماز جنازہ نہ پڑھائے کیونکہ ایک [۱] سید صحیح النسب [۲] تارک السلطنت اور [۳] ساتوں قرأت کے قاری وحافظ یہاں آئیں گے، وہی میری نماز جنازہ پڑھائیں گے۔

آگے کا حال حضرت علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ کی زبانی سنئے: ''آپ کے اصحاب بموجب وصیت تجہیز وتکفین کر کے حضرت محبوب یزدانی کا انتظار کر رہے تھے، جب کچھ تاخیر ہوئی تو حضرت شیخ چولھائی خادم حضرت مخدوم الملک شہر سے باہر تلاش کے واسطے نکلے، ادھر حضرت محبوب یزدانی تشریف لا رہے تھے، شیخ چولھائی اپنی نورفراستِ باطنی سے پہچان گئے، پوچھا: آپ سید ہیں؟ حضرت نے عاجزی سے فرمایا: ہاں، اسی طرح جو نشانیاں حضرت مخدوم الملک نے فرمائی تھیں، سب آپ میں پائی گئیں، حضرت محبوب یزدانی کو آگے کیا اور خود پیچھے ہو لیے، جب حضرت محبوب یزدانی خانقاہ میں پہنچ کر اصحاب سے ملے، سب نے باتفاق صاحبِ میت بموجبِ وصیت امامتِ نماز جنازہ کا اشارہ کیا، اول حضرت نے عاجزی کی، آخر سب نے حضرت محبوب یزدانی کو امامت کے لیے آگے بڑھایا'' [صحائف اشرفی، حصہ اول، ص:۸۷]

مؤرخین کا اس سلسلے میں شدید اختلاف ہے کہ حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ دہلی سے سیدھا بنگال تشریف لائے، یا منیر شریف بہار میں قیام فرمایا اور حضرت مخدوم الملک یحییٰ منیری علیہ الرحمہ کی نماز جنازہ پڑھائی؟ علامہ عبد الرحمٰن چشتی صاحب مرأۃ الاسرار، حضرت علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ اور ڈاکٹر ظہور الحسن صاحب نے یہی لکھا ہے کہ: آپ نے منیر شریف بہار میں قیام فرمایا اور مخدوم الملک کی نماز جنازہ پڑھائی، لیکن ڈاکٹر سید وحید اشرف صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ: نماز جنازہ پڑھانے کا واقعہ دوسرے سفر میں پیش آیا، پہلے سفر میں آپ اشتیاقِ مرشد میں سرگرداں تھے اور منزل بہ منزل اپنے مقصود کی طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے، راستے میں مشائخ طریقت کی تاکید مزید آپ کی رفتار میں تیزی پیدا کر رہی تھی، نیز تاریخی اعتبار سے بھی یہ پہلے سفر کا واقعہ معلوم نہیں ہوتا- [تفصیل کے لیے دیکھئے: ڈاکٹر وحید اشرف کچھوچھوی کی کتاب ''حیات سید اشرف جہانگیر سمنانی'']

بارگاہ مرشد میں: حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ

الرحمہ کو سمنان سے پنڈوہ شریف پہنچنے میں دو سال لگ گئے- مؤرخین نے پیرومرشد کی بارگاہ میں باریابی کا واقعہ تقریبا ایک ہی انداز میں بیان کیا ہے- ہم یہاں حصول برکت کے لیے مجدد سلسلۂ اشرفیہ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ کے بیان کا خلاصہ پیش کررہے ہیں:''منقول ہے کہ: حضرت مخدومی بعد نماز چاشت آرام فرمارہے تھے، یکبارگی خواب سے چونک پڑے، بے تابانہ خانقاہ سے باہر نکل آئے اور فرمانے لگے:'یار کی خوشبو آرہی ہے، قریب آپہنچا ہے' اپنی سواری پالکی اور اپنے مرشد شیخ اخی سراج الحق والدین کی پالکی جو آپ کو ملی تھی ہمراہ لے کر شہر کے باہر آئے، آپ اپنے مرشد کی پالکی پر سوار تھے اور اپنی پالکی خالی لے گئے تھے، آپ کے اصحاب وخلفا کے علاوہ شہر کے تمام چھوٹے بڑے آدمی پیادہ و سوار ہمراہ چلے، ایک کوس شہر سے باہر نکلے، آدمیوں کے کش مکش سے راہ چلنا دشوار ہو رہا تھا، جب چار کوس شہر سے باہر نکل گئے، حضرت مخدومی، اصحاب اور تمام مجمع ایک درخت کے نیچے اترے، وہاں کچھ مسافروں کی جماعت نظر آئی، حضرت مخدومی نے اپنے خادم کو دوڑایا کہ جلدی سے خبر لاؤ، کون لوگ آرہے ہیں؟ خادم دوڑتا گیا اور جلدی سے استفسار کر کے حضرت مخدومی کی خدمت میں عرض کیا کہ: اشرف نامی سمنانی نورانی شکل والے آرہے ہیں، یہ سن کر چند قدم پیشوائی کے لیے آگے بڑھے، دونوں جانب سے جذبۂ محبت نے اپنا اثر دکھایا، حضرت محبوب یزدانی دوڑ کر آئے اور شیخ کے قدموں پر سر رکھ دیا، حضرت مخدومی نے سر اٹھایا اور پیار سے اپنے سینے سے لگالیا، حضرت مخدومی نے فرمایا:'اے فرزند! جس دن سے تم تارک السلطنت ہوکر گھر سے نکلے ہو، ہر منزل میں، میں تمہارا نگراں تھا، محبوب یزدانی بعد مبالغہ واصرار حسبِ ارشاد حضرت مخدومی کی پالکی پر سوار ہوئے، خانقاہ عالم پناہ کے دروازے پر پہنچے، بے اختیار پالکی سے اتر پڑے اور حضرت مخدومی کی چوکھٹ پر سر رکھ دیا، حضرت مخدومی نے محبوب یزدانی کا سر اٹھا کر اپنے آغوش میں لے لیا اور سینہ سے لگایا، دو جہاں کے مقاصد سے مالا مال کر کے دریائے ناپیدا کنار کردیا''[صحائف اشرفی ملخصاً ۱/۸۳-۶۸]

حضرت مخدوم العالم شیخ علاء الحق پنڈوی علیہ الرحمہ اپنے اس چہیتے طالبِ صادق کو اپنی خانقاہ میں لائے، خادم کو دسترخوان بچھانے کا حکم دیا، انواع واقسام کے کھانے چنے گئے، شیخ نے فرمایا: فرزند اشرف! مقاصد کونین سے ہاتھ دھولو، تاکہ وصل الٰہی نصیب ہو، شیخ نے چار لقمہ اپنے ہاتھ سے کھلائے، حاضرین کو تعجب ہوا کہ ازیں قبل شیخ نے کسی پر اتنا کرم نہیں فرمایا، شیخ نے فراست ایمانی سے حاضرین کے احساسات کو محسوس کیا اور سید اشرف علیہ الرحمہ کا تعارف کرایا، پھر پن بھتہ [بنگال میں سادہ چاول کو پانی میں رکھ کر ٹھنڈا کیا جاتا ہے، اسے پن بھتہ کہتے ہیں بعض اہل بنگال آج بھی بڑے شوق سے اسے کھاتے ہیں] لایا گیا، شیخ نے فرمایا: فرزند اشرف! یہ کھالو یہ فقیروں کی غذا ہے، اس کے کھانے سے تشنگان سلوک ومعرفت کو سکون ملتا ہے، آپ نے وہ کھانا تناول فرمایا، پھر پان پیش کیا گیا، شیخ نے اپنے ہاتھ سے چار گلوریاں کھلائیں- سید اشرف جہانگیر علیہ الرحمہ کی یہ پہلی ضیافت تھی جو بنگالی خورد نوش اور وہاں کے اہل سلوک ومعرفت کے اعتبار سے کی گئی تھی-

خانقاہ مرشد کے شب وروز: حضرت مخدوم العالم شیخ علاء الحق پنڈوی علیہ الرحمہ نے مہمان نوازی کے بعد، مجمع عام میں سید اشرف جہانگیر علیہ الرحمہ کو اپنے حلقۂ ارادت میں لیا، اپنے ساتھ ایک حجرہ میں لے گئے، تھوڑی دیر ساتھ میں رہے، پھر آپ باہر تشریف لے آئے، ایک پہر کے بعد پھر حجرہ میں گئے، دیکھا مرید بحر توحید میں مستغرق ہے، عجیب کیف وسرور طاری ہے، ہاتھ پکڑ کر باہر لے آئے، چہرہ مثل آفتاب درخشاں وتاباں تھا، یقین ہوگیا کہ طریقت کے جو اسرار ورموز بتائے گئے تھے ان پر مرید صادق کھرا اترا ہے-

حضرت مخدوم العالم علیہ الرحمہ نے سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ کی تربیت میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا، آپ پر مسلسل لطف وکرم فرماتے رہے، ایک وقت ایسا بھی آیا کہ دیگر مریدین کو سید اشرف علیہ الرحمہ سے جلن ہوگئی، وہ آپ کے خلاف ہوگئے، ایک بار آپ

کے ایک فعل سے حاسدین کو موقع میسر آ گیا اور انھوں نے حضرت مخدوم العالم سے آپ کی شکایت کر دی- ہوا یہ کہ حضرت مخدوم العالم نے بہت سے تبرکات جن میں حضرت آئینہ ہند اخی سراج الدین مرشد مخدوم العالم کا جبہ بھی تھا، حضرت سید اشرف جہانگیر علیہ الرحمہ کو عطا کیا اور مریدین سے فرمایا: یہ تبرکات میرے پاس بہت دن سے تھے، اب ان کا مستحق آ گیا ہے، اس لیے ان کو دے رہا ہوں۔حضرت سید اشرف علیہ الرحمہ نے چند روز کے بعد وہ تبرکات ایک فقیر کو دے دیئے، اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے حاسدین نے حضرت مخدوم العالم سے اس کی شکایت کر دی، جب آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا: ''لباس عین پیر ہے یا غیر، ظاہر ہے کہ لباس عین پیر تو ہو نہیں سکتا، غیر پیر ہے، میرے پیر کی نظر غیر پر نہیں ہے، اور مرید کو صفات پیر کا تابع ہونا چاہیے، اگر میں غیر پیر کی طرف التفات کروں تو پیر سے فیض حاصل نہیں کر سکتا اور پیر سے فیض حاصل نہیں کیا تو کیا نسبت پیر سے رہی'' -[مقدمۂ لطائف اشرفی مترجم سید شاہ عبدالحی اشرف، جلد:۱، ص:۴۶، مخدوم اشرف اکیڈمی کچھوچھہ شریف] جب یہ جواب حضرت مخدوم العالم تک پہنچا، بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں-

صفات پیر سے مزین ہونے کے بعد حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ نے مشائخ کبار کے تبرکات کو بڑی عقیدت واحترام کیساتھ اپنے پاس رکھنا شروع کیا، عرب وعجم کے بہت سے مشائخ آپ نے تبرکات حاصل کیے اور اپنے جانشیں حاجی الحرمین سیدنا عبدالرزاق نورالعین علیہ الرحمہ کو بوقت خلافت عطا فرمایا-

لقب جہانگیر: مرید صادق حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ کی تربیت مکمل ہوتی جارہی تھی، جدائی کا وقت قریب آ رہا تھا، حضرت مخدوم العالم اس فکر میں تھے کہ اپنے اس مرید صادق کو کونسا لقب دیا جائے، القابات تو آسمان سے اترتے ہیں، لہٰذا حضرت مخدوم العالم نے مراقبہ فرمایا- پورا واقعہ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ کے لفظوں میں پڑھئے: ''ایک رات حضرت مخدومی وظائف واوراد شب برات میں مشغول تھے، خلوت خانہ میں جا کر سر بجیب مراقبہ ہو کر دیر تک خاموش رہے یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی، یکبارگی خلوت کی در و دیوار سے آواز آئی ''جہانگیر، جہانگیر'' اس غیبی آواز کو سنتے ہی فرمایا: الحمدللہ، فرزند اشرف کو خطاب جہانگیری ملا'' [صحائف اشرفی، مرجع سابق ص:۹۰]

بعد نماز فجر جب مریدین ایک دوسرے سے مصافحہ کرنے لگے تو سبھوں نے آپ کو خطاب جہانگیری کی مبارک باد پیش کی-ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء-

احترام مرشد: حضرت مخدوم العالم شیخ علاء الحق پنڈوی رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ آپ اپنے مریدین وخلفا سے سخت مجاہدہ کراتے تھے، آپ کی تربیت کا یہی طریقہ تھا، مگر سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ کو کبھی کوئی کام نہیں بتایا، ہمیشہ ذکر وفکر اور یاد الٰہی میں مشغول رکھا، جب کبھی کوئی کام کرنے کی آپ چاہت ظاہر کرتے تو شیخ فرماتے: میں نے ابوالعباس حضرت خضر علیہ السلام سے تمہاری بہت تعریف سنی ہے تم سے کوئی کام نہیں کرا سکتا-اس کے باجود حضرت مخدوم سید اشرف علیہ الرحمہ اپنے پیر مرشد کی جوتیاں سیدھی کرتے، وضو وغسل کا پانی بھرتے، ہمیشہ خدمت اقدس کے لیے تیار رہتے-آپ اپنے مرشد کی خانقاہ کے ذرے ذرے کا احترام واکرام کرتے تھے، چنانچہ اشرفی میاں علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: '' حضرت محبوب یزدانی جس تاریخ سے حضرت شیخ علاء الحق والدین گنج نبات سے شرف ارادت حاصل کیا، سفر وحضر میں کبھی مرشد کے شہر کی طرف پاؤں نہیں پھیلائے اور نہ کبھی اس طرف رخ کر کے تھوکا، اگر چہ سرحد ولایت مغرب میں دو ہزار کوس کی مسافت طے کی ہوتی تو بھی شہر مرشد ملحوظ خاطر رکھتے تھے- بارہ برس متفرق طور سے درگاہ عالم پناہ حضرت مخدومی مرشدی میں قیام فرما ہوئے تھے، کبھی سرزمین شہر جنت آباد عرف پنڈوہ شریف میں پاخانہ پیشاب کو نہیں گئے''-[صحائف اشرفی، مرجع سابق، حصہ اول ص:۱۴۳] .... (باقی صفحہ ۱۸ پر)

حیاتِ صدرالشریعہ　تیسری قسط

صدرالشریعہ کی جرأت حق بیانی

تحریر: بحرالعلوم حضرت مفتی عبدالمنان علیہ الرحمۃ والرضوان

دربھنگی صاحب ایک اور واقعہ:

اس ضمن میں مولوی دربھنگی صاحب کا ایک واقعہ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کمیٹی کے عروج کا زمانہ ہے، کوئی شخص خلافت کمیٹی کے خلاف ایک حرف کہنے کی جرأت نہیں رکھتا، اس دور میں جب کہ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے ان خلافتیوں کی گمراہیوں کا پردہ چاک کیا اور دنیا کے سامنے ان کی ضلالتیں پیش فرمادیں، تو ایک مرتبہ بمقام کتب خانہ بریلی خلافت کمیٹی کا ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا، جس میں یہ بھی اعلان تھا کہ مولوی مرتضی حسن صاحب دربھنگی آئیں گے اور تقریر کریں گے اور یہ معلوم تھا کہ وہ ایک دریدہ دہن منھ پھٹ آدمی ہے، ضرور بالضرور اعلیٰ حضرت قبلہ کی شان میں کچھ نہ کچھ گستاخی کرے گا۔

یہ اطلاع پا کر میں بالکل تن تنہا ان مخالفین کے بھرے ہوئے جلسے میں پہنچ گیا، مگر راستے میں جن لوگوں کی ملاقاتیں ہوئیں اور انھوں نے دریافت کیا کہ کہاں جاتے ہیں؟ ان سے بتادیا کہ مخالفین کے جلسے میں جارہا ہوں، یہ خبر بجلی کی طرح پہنچ گئی اور خود میرے جلسے میں پہنچنے کے چند منٹ بعد دیکھتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت کے معتقدین کی ایک بڑی تعداد کئی سو آدمیوں کی میری حمایت کے لیے موجود ہے کہ اگر خدانخواستہ کسی مخالف نے کوئی بے جابات کی تو اسے دنداں شکن جواب دیا جائے گا۔ جلسہ میں پہنچنے کے بعد عوام کے بیٹھنے کی جگہ پر میں بیٹھ گیا۔ مولوی عبدالودود ناظم جلسہ انھوں نے خود دیکھا یا ان سے کسی نے کہا۔ فوراً تخت (اسٹیج) سے اتر کر آئے اور مجبور کر کے تخت پر لے گئے، پھر انھوں نے یہ بھی اصرار کیا کہ آپ بھی کچھ تقریر کریں جواب دیا میں تقریر کرنے نہیں آیا بلکہ سننے آیا ہوں، سننے کے بعد اگر ضرورت پڑے گی اس وقت دیکھا جائے گا۔ جلسے میں میرے پہنچ جانے کی اطلاع دربھنگی صاحب کو پہنچ گئی، پھر ان میں کہاں اتنی جرأت کہ وہ جلسہ میں شریک ہوتے؟ بانیانِ جلسہ سے کوئی عذر کردیا اور کہہ دیا کہ میں اس وقت جلسہ میں شریک نہیں ہوسکتا۔

اعلیٰ حضرت کا اضطراب:

میرے جلسے میں جانے کی اطلاع کسی نے اعلیٰ حضرت کو دے دی۔ اطلاع پا کر نہایت درجہ پریشان تھے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مخالفین کا جلسہ ہے کوئی حملہ کردے یا اور کسی قسم کی اذیت پہنچائے، خبر پا کر اعلیٰ حضرت مکان کے اندر تشریف نہیں لے گئے بلکہ اس وقت سے جب تک میں جلسہ سے واپس نہ آ لیا برابر مسجد میں ٹھہرے رہے اور میری فتح ونصرت اور حفظ وامن کے لیے دعا کرتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی دعاؤں ہی کا صدقہ ہے کہ یہ فقیر جہاں جاتا ہے کامیاب ہوتا ہے اور کبھی آج تک ذلیل وشرمندہ نہیں ہونا پڑا۔ اسی طرح متعدد بار مناظرے کے لیے جانا ہوا اور اہل باطل نے مناظرے کی دعوتیں دیں، مگر کبھی کسی کو بفضلہٖ تعالیٰ مقابل آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

بھاگلپور کا مناظرہ:

ایک مرتبہ بھاگلپور میں جب کہ حضرت مولانا احمد اشرف صاحب اپنے نورانی بیانات سے اہل سنت کے دلوں کو منور فرمارہے تھے اور اہل باطل کے قلعے گرارہے تھے۔

مولوی محمد علی صاحب مونگیری جو پہلے بہت بڑے ندوی بلکہ ناظم ندوہ تھے، پھر وہ وہابیوں کے مؤید بن گئے، مولانا کے بیانات میں جو وہابیہ کا رد ہوتا اس سے ان کی بھی وہابیت ابھر گئی اور وہ مولانا کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوگئے، اگر چہ مولانا ان سے

مناظرے کے لیے بہت کافی تھے، مگر مصلحت وقت، اعلیٰ حضرت کی خدمت میں ایک تار دیا کہ مولانا امجد علی و مولانا نعیم الدین صاحبان کو فوراً روانہ کیجئے یہ دونوں حضرات وہاں پہنچے، جلسے ہونے لگے وہابیت کی اچھی طرح بیخ کنی ہونے لگی۔

مولوی محمد علی مونگیری و مولوی غنیمت حسین نے مناظرہ کرنے کا تار لیا، بلکہ دن اور وقت اور جگہ سب چیزیں مقرر ہو چکیں، مسجد خلیفہ باغ جو بھاگلپور میں ایک مشہور مسجد ہے مقام مناظرہ طے ہوا۔ وقت مقرر پر علمائے اہل سنت وہاں تشریف لے گئے اور جب دیکھا کہ ابھی فریق مقابل نہیں آیا تو میں نے تقریر شروع کردی، یہاں بفضلہٖ تعالیٰ میدان مناظرہ میں شیران حق روباہ باطل کو بھگانے اور مٹانے کے لیے پہنچ چکے ہیں، مولوی محمد علی صاحب وغیرہ کو یہ خوف طاری ہوتا ہے کہ ہم مناظرے میں یقیناً ہار جائیں گے اور مناظرے سے ہماری بہت ہی بے عزتی ہوگی، جان بچانے کی صورتیں تجویز کرنے لگے۔ آخر میں کوتوال شہر کو انھوں نے بلایا۔ سننے میں آیا کہ کوتوال صاحب سے انھوں نے نہایت لجاجت وسماجت کے لہجے میں یہ کہا کہ عظیم القدر میری عزت کا بچانا آج آپ کے ہاتھ میں ہے، کوئی ایسی ترکیب نکالو کہ میری جان مناظرے سے بچ جائے۔ کوتوال صاحب کے بائیں ہاتھ کا یہ ادنیٰ کرشمہ تھا، فوراً مقام مناظرہ میں جہاں اس وقت جلسہ ہو رہا تھا پہنچتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہاں آپ لوگ مناظرہ کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے کوئی باضابطہ اجازت حاصل نہیں کی ہے، چوں کہ فتنہ وفساد کا اندیشہ ہے لہٰذا ہم مناظرہ کی اجازت نہیں دیتے۔ کوتوال صاحب کو فوراً یہ جواب دیا گیا کہ آپ مناظرہ کی اجازت دیں یا نہ دیں، جب فریق مقابل یہاں موجود ہی نہیں ہے تو در و دیوار سے مناظرہ نہیں کیا جائے گا۔ پورے جلسے پر یہ ظاہر ہو گیا کہ مولوی محمد علی صاحب کی یہ چال تھی اور مناظرے سے بچنے کی یہ ترکیب تھی، بھاگلپور کے وہابیوں کا مناظرہ سے فرار اور وہاں اہل حق کی تقریریں کچھ ایسی مفید ثابت ہوئیں کہ ہر شخص نے مسائل اختلافیہ کو اچھی طرح سمجھ لیا۔ خصوصاً مسئلہ تکفیر، یہ مسئلہ لوگوں کو ایسا ذہن نشین ہوا کہ معمولی آدمی وہابیہ کے پڑھے لکھے لوگوں کو بند کر دیتے تھے اور ان کے سامنے یہ ثابت کر دیتے تھے کہ یقیناً یہ عبارت توہین کی ہے اور اس کا لکھنے والا قطعاً کافر ہے۔

کلکتہ کا مقابلہ:

ایک مرتبہ کلکتہ سے پیر ابوبکر صاحب پھُر پھُر والے نے تار دے کر بلایا کہ یہاں آریوں نے سر اٹھایا ہے اور سراج گنج میں شردھانند آیا ہوا ہے، اس سے مناظرہ کے لیے یہاں آجاؤ، ان کے تار پر فوراً کلکتہ پہنچے اور مولوی عبدالعزیز خان صاحب کے یہاں قیام کیا۔ پھر وہاں سے سراج گنج روانہ ہو گئے مگر شردھانند جی کو جب اطلاع ملی کہ یہاں مقابلے کی ٹھہرے گی اور مسلمانوں سے مناظرہ کرنا پڑے گا، فوراً وہاں سے روانہ ہو گئے جب سراج گنج پہنچے معلوم ہوا کہ شردھانند جی کل یہاں سے روانہ ہو گئے اور یہ کہہ کر گئے کہ ہم مناظر نہیں ہیں۔ وہاں کے مسلمانوں نے بڑی دھوم دھام کے ساتھ استقبال کیا، جھنڈیوں اور نعروں کے ساتھ مہمان کو قیام گاہ پر لے گئے۔ دوسری ٹرین سے مولانا نعیم الدین مرادآبادی صاحب بھی یہاں پہنچے۔ شام کو ایک عظیم الشان جلسے کا انعقاد ہوا، اور علمائے کرام نے اسلام کی حقانیت پر بڑی پرزور تقریریں فرمائیں اور نہایت کامیابی کے ساتھ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

بنگال میں تقریر کی آسانی:

اس ملک (علاقہ) میں مقرر کے لیے بڑی آسانی ہے، رات بھر بھی تقریر کرے تو تھکان نہ ہوگی، قاعدہ یہ ہے کہ دس پندرہ منٹ تک مقرر نے ایک مضمون بیان کیا، پھر اسی مضمون کا کسی مولوی نے بنگالی زبان میں ترجمہ کر کے حاضرین کو سمجھایا، پھر مقرر نے تقریر کی اور انھوں نے ترجمہ کیا، اس میں علاوہ تھکان نہ ہونے کے مقرر کو مضمون سوچنے کا بھی اچھا موقع ہاتھ آتا ہے۔

زمانہ طالب علمی کا ایک مناظرہ:

چھوٹے موٹے مناظرے زمانۂ طالب علمی میں بھی بارہا

کرنے پڑے اور بحمدہ تعالیٰ جس مسئلے میں کسی سے کلام کیا اس میں خاموش نہ ہوئے، بلکہ مخالف ہی کو چپ کرا دیا۔

جون پور کی طالب علمی کا ابتدائی دور تھا۔ جب کہ دینیات سے واقفیت بھی نہ تھی، معقولات کی ابتدائی کتابیں پڑھنے کا زمانہ تھا، گھوسی کے ایک بہت بڑے مولوی صاحب تھے، شب برأت کے حلوے پر گفتگو ہوگئی، وہ مولوی صاحب بیان کر رہے تھے کہ اس روز حلوہ پکانا ناجائز ہے، ان سے دریافت کیا کہ ناجائز کہنے کی وجہ آپ کے پاس کیا ہے؟ دلیل کیا ہے؟ تو ادھر ادھر کی الم غلم باتیں کرنے لگے اور اس کو بدعت قرار دے کر حرام ٹھہرانے کی فکر میں پڑے، مگر جب بدعت کی تعریف ومصداق میں گفتگو ہوئی تو یہ بدعت کی مکمل تعریف کر سکے نہ شب برأت کے حلوے کا بدعت ہونا بتا سکے۔ جو لوگ یہاں موجود تھے انہیں مولوی صاحب کی بے تابی اور سراسیمگی دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ یہ بڑے مولوی ایک لڑکے کی بات کا جواب نہ دے سکے اور اس سے ہار گئے۔

گھوسی کا دوسرا واقعہ:

اسی طرح وسط طالب علمی کے زمانے میں گھوسی کے اندر مسئلہ قیام میلاد شریف ایک نزاعی مسئلہ بن گیا تھا، اس مسئلہ میں بعض لوگ حد سے بڑھے ہوئے تھے اور میلاد شریف پڑھواتے اور پڑھتے تھے مگر قیام نہیں کرتے تھے ایک مرتبہ میلاد شریف کے موقع پر خصوصیت کے ساتھ اس مسئلہ پر تقریر کی، یہ وہ زمانہ تھا کہ نہ دینیات سے اچھی طرح واقفیت تھی اور نہ تقریر کرنے کا طریقہ تھا، صرف اتنا معلوم تھا کہ محققین اہل سنت کا مسلک یہ ہے۔ اتنا معلوم ہونے کے بعد کچھ عقلی دلائل کچھ ادھر ادھر کے رسائل سے دیکھی ہوئی باتیں بیان کر کے مسئلے کو اچھی طرح واضح اور ثابت کر دیا۔ جو لوگ اس مسئلے میں مخالف تھے انھوں نے دوسرے روز مکان کے قریب ہی میلاد شریف کیا اور اس میں ایک مولوی صاحب کو جو قیام کے مخالف تھے تقریر کے لیے بلایا، انھوں نے کچھ ادھر ادھر کی الم غلم باتیں بیان کرنے کے بعد قیام کے متعلق یہ کہنا شروع کیا کہ بدعت ہے اور ناجائز ہے۔ میں اپنی بیٹھک میں بیٹھا ہوا تھا ان دنوں سردی کے ساتھ مجھے بخار آتا تھا اور عین اس وقت جب مولوی صاحب نے تقریر کی مجھے سخت لرزہ آ گیا تھا، لحاف اوڑھے ہوئے پڑا ہوا تھا کہ قیام کے بدعت ہونے کی آواز میرے کان میں آئی، پھر کیا تھا ضبط نہ ہوا اسی حالت میں لحاف پھینک کر جلسے میں پہنچ گیا اور مولوی صاحب سے قیام کے بدعت ہونے پر گفتگو شروع کر دی، چوں کہ میری نو عمری کا زمانہ تھا اور میں ایک طالب تھا اور وہ مولوی صاحب، انھوں نے چاہا کہ مولویت کے رعب سے ہی خاموش کر دوں۔ وہ چلا چلا کر بلند آواز سے بولنے لگے، میں نے ان سے کہا کہ چلانے سے کوئی فائدہ نہیں، آپ اگر نہ چلائیں گے تو بھی لوگ آپ کی بات سنیں گے، مسئلہ پر گفتگو کیجیے، اور ان بے ہودہ باتوں سے باز آیئے، مگر ان مولوی صاحب کے پاس بلکہ اس ساری جماعت کے پاس کوئی بھی ایسی دلیل نہیں جس سے قیام یا ان دیگر چیزوں کو بدعت وضلالت ثابت کر سکیں۔ مولوی صاحب کو ذلت کے ساتھ خاموشی اختیار کرنی پڑی اور قیام کا عدم جواز ثابت نہ کر سکے۔ اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی باتیں طالب علمی کے زمانہ میں بہت مرتبہ ہوتی رہیں، نہ ان کی طرف توجہ کی گئی اور نہ ان کو محفوظ رکھا گیا۔ الحمدللہ کہ ابتدا سے اب تک جب کبھی بھی کسی سے اس قسم کی گفتگو ہوئی کبھی ہارنے اور ہزیمت اٹھانے کی نوبت نہیں آئی۔

قوت استحضار اور طریقۂ تعلیم:

ابتدائی زمانہ میں جب کہ حافظہ اپنے پورے شباب پر تھا مضامین یاد تھے، اور پڑھانے میں مطالعہ دیکھنے کی حاجت نہ تھی، بغیر مطالعہ دیکھے ہوئے بڑی سے بڑی کتاب کا درس دیا کرتا تھا، اگرچہ مجھے اس بات کا اعتراف تھا کہ اساتذہ کے طریق کے خلاف ہے، مطالعہ دیکھ کر پڑھانا نہایت ہی بہتر اور مفید ہے۔ مگر اس زمانہ میں اپنی یاد وغیرہ پر ایسا اعتماد رکھتا تھا کہ مطالعہ کی ضرورت نہ محسوس کرتا۔ نیز پڑھانے کے وقت اس زمانہ میں اپنے سامنے کتاب نہیں رکھتا تھا، اور کتاب سامنے رکھ کر پڑھانا دماغ کی

کمزوری پر محمول کرتا اور اپنے لیے اچھا نہ جانتا تھا۔ طالب علم نے عبارت پڑھی ترجمہ کیا، جو کچھ عبارت اور ترجمہ میں غلطیاں کرتے ان کے بتانے کے لیے کتاب کے سامنے ہونے کی ضرورت نہ تھی اور مطلب اور کتاب کا مالہ وماعلیہ دونوں ذہن میں محفوظ تھا۔

یہ طریق تعلیم اس وقت تک جاری رہا جب تک حدیث پڑھانے کا اتفاق نہ پڑا حدیث شریف پڑھانے میں کتاب کا سامنے رکھنا ضروری ہوا۔ پھر جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا رہا طلبہ کی استعداد گھٹتی رہی۔ یہاں تک کہ نہ تو ان کو عبارت پڑھنے کا سلیقہ رہا اور نہ صحیح طور پر کتاب کا ترجمہ کرنا جانتے ہیں۔ ایک ایک سطر کی عبارت اور ترجمے میں کئی کئی جگہ ٹوکنا اور بتانا پڑتا ہے، خود اپنے حافظے کی جولانی میں وہ بات نہ رہی جو پہلے رہا کرتی تھی۔ افکار و حوادث نے روز بروز دماغ کو کمزور کرنا شروع کر دیا تھا، وہ تمام خصوصیتیں جو پہلے تھیں ان کو خیر باد کہنا پڑا، اور وہی رائج طریقہ جس کو معیوب سمجھا کرتا تھا خود ہی اختیار کرنا پڑا، طالب علمی کے زمانے میں بلکہ ابتدا مدرسی کے دور میں پڑھانے کا وہی طور تھا جو حضرت مولانا ہدایت اللہ صاحب علیہ الرحمہ سے اپنایا تھا، اور جس طریقہ سے خود پڑھا تھا اسی طریقہ سے پڑھانا بھی چاہتا تھا، مگر طلبا میں سرعت کے ساتھ تنزلی اور بدشوقی ایسی رونما ہوئی کہ خیال بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اتنی جلدی ایسی بدتر حالت پیدا ہو جائے گی، اسی حالت کو دیکھتے ہوئے وہ طریقہ تعلیم ناممکن نظر آیا، درس کا بوجھ طالب علم کے سر سے اتار کر اپنے کندھوں پر لینا پڑا، اور جب حافظے کی بالکل کمزوری رونما ہوئی تو کتابوں کا مطالعہ بھی دیکھنا شروع کیا، تا کہ جو مضامین ذہن سے جا چکے ہیں ان کا استحضار کیا جائے اور کتاب کا صحیح مطلب طلبا کے ذہن نشین کیا جائے۔

قدیم طرز تعلیم کا مقصد:

میرے استاد مولانا ہدایت اللہ خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے میری تعلیم کا ماحصل یہ ہے کہ طالب علم میں اتنی استعداد پیدا ہو جائے کہ مشکل سے مشکل مضمون بھی اگر اس کے سامنے پیش کیا جائے تو اسے سمجھ سکے اور اس کی تقریر بیان کر سکے، خواہ مطالعہ دیکھ کر یا بے مطالعہ دیکھے ہوئے۔ چنانچہ ان کی دعاؤں کی برکت ہے کتابوں کے مشکل سے مشکل مضمون کے سمجھنے میں بھی دشواری واقع نہ ہوئی، یہاں تک کہ بعض وہ دقیق کتابیں جو کہ معرکۃ الآرا سمجھی جاتی ہیں اور ان کا سمجھنا اور پڑھانا دشوار قرار دیا جاتا ہے، ان کو بھی بحمدہ تعالیٰ پڑھایا اور ان کے پڑھانے میں دشواری نہیں پیدا ہوئی، اگر چہ وہ کتابیں خود میری پڑھی ہوئی نہ تھیں، مثلاً تتمہ اخوند یوسف صاحب خانقاہی اور شرح حکمۃ العین مع حواشی سید شریف میر جرجانی معہ شرح چغمینی وغیرہ کہ ان کتابوں کو بفضلہ تعالیٰ بڑی خوبی کے ساتھ پڑھایا، یہ سب اساتذہ کرام کے کرم اور ان کی دعاؤں کا صدقہ ہے۔

حضرت استاذ کا وصال:

شعبان ۱۳۲۶ھ میں جب پٹنہ میں مدرس تھے اور وہاں کی مدرسی کے دور کو ختم کرنا چاہتے تھے، جون پور سے حضرت مولانا کی علالت کا خط پہنچا۔ وہاں سے براہِ راست جون پور پہنچا حاضر خدمت ہوا، مولانا پر فالج گرا تھا، زبان بالکل بند ہو چکی تھی، مگر دماغ بالکل بیکار نہیں ہوا تھا آدمیوں کو دیکھ کر پہچان سکتے تھے، جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت آنکھیں بند کئے ہوئے تھے، مولانا سید سلیمان اشرف صاحب علیہ الرحمہ خدمت میں حاضر تھے انھوں نے نام لے کر فرمایا کہ فلاں شخص آیا ہوا ہے، فوراً آنکھیں کھول دیں، انھیں سلام کیا، اشارے سے جواب دیا، پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر دیر تک کچھ پڑھتے رہے، قرینے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ میرے لیے دعا کر رہے تھے۔ برابر مولانا کی خدمت میں حاضر رہا، مزاج کا وہی حال رہا، یہاں تک کہ شعبان کی ۲۹ر تاریخ آ گئی، مولانا سید سلیمان اشرف صاحب سے یہ کہہ کر وطن روانہ ہوا کہ مزاج میں اگر کسی قسم کا تغیر ظاہر ہو تو فوراً بذریعہ تار مطلع کریں، میں وہاں سے وطن آیا، اور اسی روز رمضان کا چاند ہو گیا۔ رمضان کی پہلی ہی تاریخ کو داعی اجل کو لبیک کہہ کر...... (باقی صفحہ ۱۸ پر)

خضر راہ

طلبہ کے اندر دینی تعلیم کے حوالے سے تساہلی اور نظم وضبط کی کمی کے اسباب اور ان کا حل

اہل فکر وقلم کی آرا

ہم نے مذکورہ بالا موضوع پر ہندوستان کے مختلف علماے کرام سے ان کی آرا حاصل کرنے کی کوشش کی، تاکہ مختلف جہتوں سے غور وفکر کرکے مفید عملی اقدام کیا جاسکے۔ ہمارے سوالات اور اہل علم کے جوابات نذر قارئین ہیں۔ان شاء اللہ یہ تحریری مباحثہ قارئین کرام بالخصوص مدارس کے طلبہ اور ان کے ذمہ داران کے لیے کافی حد تک سود مند ثابت ہوگا۔ہم اس موضوع پر خصوصاً درج ذیل آرا کی روشنی میں طلبہ کے احساسات وتاثرات بھی معلوم کرنا چاہیں گے تاکہ اگلے شمارے میں انہیں بھی شائع کیا جاسکے۔ (ادارہ)

یہ بات ہر کس وناکس پر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ دین وملت کی خدمات اور نگہ بانی میں دور صحابہ سے آج تک مدارس اسلامیہ کا بہت اہم کردار رہا ہے، اسلام کے ابتدائی بلکہ درمیانی قرون اور اس کے کچھ صدی بعد تک محنت ولگن، تعلیم وتربیت، تقوی وپرہیز گاری، ایثار وقربانی، وقت کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر وقت کی حفاظت اساتذہ وطلبہ کے خاص اوصاف تھے، جن کی وجہ سے اکثر علما وطلبہ تفسیر وحدیث، فقہ وادب میں اپنی مثال آپ تھے، مگر آج اکثر مدارس کے حالات یکسر بدل چکے ہیں۔اب عموماً طلبہ کے اندر محنت ولگن، تعلیم وتربیت، تقوی وپرہیز گاری، صبر وتحمل اور ایثار وقربانی کا فقدان نظر آتا ہے، وقت کی حفاظت کے بجائے اس کی بے حساب ناقدری کرتے ہیں، تعجب در تعجب اس وقت ہوتا ہے جب ان کی حالت دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ جس مقصد کے لیے انھوں نے اپنے آپ کو نو سال کے لیے وقف کرنے کا ارادہ کرلیا ہے اس کے تعلق سے بھی سنجیدہ نہیں ہوتے! اور اگر کوئی احساس دلانے کی کوشش کرے تو اسے وہ خاطر میں نہیں لاتے، مادیت کے بارے میں سوچنا اور اس کے لیے عمل پیہم کرنا برا نہیں مگر اکثر طلبہ مادیت کے بارے میں اس قدر سوچتے ہیں کہ وہ مدرسے میں رہنے کا اصل مقصد ہی بھول جاتے ہیں، دینی تعلیم میں محنت ولگن اور وقت کی اہمیت کا لحاظ عموماً نہیں کرتے اور بے مقصد زندگی گزارنے کے عادی ہوتے جارہے ہیں وغیرہ۔ دور حاضر میں اکثر مدارس کے طلبہ کا یہ وہ مزاج ہے جس کا انجام مدارس کے لیے اچھا نہیں اور نہ ہی قوم مسلم کے لیے مفید ثابت ہوسکتا ہے، سردست آپ سے اس اہم ترین موضوع پر ایک مختصر اور جامع تحریر مندرجہ ذیل سوالات کی روشنی میں مطلوب ہے:

(۱)- اپنی نو سالہ زندگی دینی تعلیم کے لیے وقف کرنے کے باوجود اکثر وبیشتر طلبہ میں جو تساہلی اور نظم وضبط کی کمی پائی جاتی ہے، اس کے اسباب وعلل کیا ہیں؟

(۲)- ان کو سلف صالحین کے طریقہ تعلیم وتعلم پر کیسے گامزن کیا جاسکتا ہے اور اس کے لیے دور حاضر میں کون سے طریقے زیادہ مناسب ہوں گے؟

(۳)- کیا دینی تعلیم میں طلبہ کی تساہلی کے وہ خود ذمہ دار ہیں یا اس میں مدارس کے اکثر ذمہ داران اور اساتذہ بھی شامل ہیں؟ اگر شامل ہیں تو ان کے اس رنگ وڈھنگ کو بدلنے کے لیے کون سے طریقے زیادہ کارآمد ہوں گے؟ --(ازہار احمد امجدی ازہری)

حضرت علامہ عبدالرحمٰن مصباحی دام ظلہ

استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، مئو

(۱) مسلمانوں نے اپنے عہد عروج میں جن مذہبی علوم کو پیدا کیا انھیں کو دینی علوم کہا جاتا ہے۔ بقیہ عربی زبان وادب اور بعض عقلی علوم کی حیثیت ایک آلہ اور خادم کی ہے اور ان کی تحصیل مبادیات کے طور پر کی جاتی ہے۔ گویا آج دینی علوم کا اطلاق عربی زبان وادب، تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، منطق اور بلاغت وغیرہ پر کیا جاتا ہے۔ انھیں علوم کی تعلیم وتدریس کے لیے مدارس قائم کیے جاتے ہیں۔ ان علوم کے ماہرین کی مسلم قوم کو سخت ضرورت ہے۔ چونکہ پوری مسلم قوم بحیثیت قوم دین اسلام کے کامل اخلاقی ومعاملاتی مسائل سے عملی طور پر دور ہے اور صرف عباداتی نظام کو اپنانا ضروری سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے ان علوم کے حاصل کرنے والوں کا مقصود قدیم علما کے مقابل کافی پست ہو گیا ہے۔ اب دینی علوم کی تحصیل کا مقصد مسجدوں کا امام یا اسلامی احکام کا خطیب، یا دعاؤں کے ذریعہ جھاڑ پھونک، یا چند مخصوص کتابوں کا ترجمہ رہ گیا ہے۔ چنانچہ جو طلبہ مدرسے میں آتے ہیں ان کی نظر میں تعلیم کا اعلیٰ مقصد نہیں ہوتا۔ جب کہ قدیم علما کا مقصود دینی تعلیم سے تہذیب اخلاق وتدبیر منزل کے ساتھ ساتھ سیاست مدینہ اور غیر مسلموں کو دین کی دعوت دینا اور کفر وضلالت کے مفاسد سے دنیا والوں کو آگاہ کرانا تھا۔ باقی معیشت کے لیے تجارت، طبابت وغیرہ اختیار کیے جاتے تھے۔

حکومتیں علما، طلبا کی سرپرستی کرتی تھیں۔ اب مغربی طرز حکومت پر استوار جمہوری، غیر جمہوری حکومتیں دینی علوم کی سرپرستی سے یا تو خالی ہیں یا برائے نام سرپرستی کرتی ہیں۔ ان وجوہ نے دینی تعلیم کے طلبا کو مقصد سے کافی دور کر دیا ہے، عصر حاضر میں مدارس کے طلبا کا مقصد نہ ہی بہت واضح ہے اور نہ ہی اعلیٰ ہے۔ بلکہ علم دین دنیا کمانے کا ایک ہنر بن کے رہ گیا ہے۔

رہی بات دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبا میں تساہلی کی، تو اس کی کئی وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ تو اس تعلیم کے مقصد کا ابہام ہے۔ دوسری وجہ: اس میں مادی منفعت کی کمی۔ تیسری وجہ: تحصیل علم کے متلاشی طلبا کی کم تر ذہنی سطح۔ چوتھی وجہ: خلوص کی بے حد کمی۔ پانچویں وجہ: درسی کتابوں کا قدیم اسلوبِ بیاں، متن، شرح، حاشیہ، درحاشیہ کی پیچیدگی۔ چھٹی وجہ: مدارس کا فرسودہ نظام تعلیم۔ ساتویں وجہ: تربیتی نظام کا فقدان۔ آٹھویں وجہ: مدارس کے تعلیمی معیار کی حد درجہ پستی اور بدلتے ہوئے زمانے کی عدم رعایت۔

اور طلبا میں نظم وضبط کی کمی کا سبب تربیت کے سلسلے میں عدم حساسیت، اور وقت کی اہمیت سے غفلت ہے، اور کسب کمال کے بجائے بعض کاغذی سرٹیفکٹ کے حصول کو کافی سمجھنا ہے۔

(۲) دینی علوم کے طلبا کو سلف صالحین کے طریقۂ تعلیم وتعلم پر گامزن کرنے کے لیے وقت کی محدودیت سے انھیں نکالنا ہوگا۔ یعنی جب تک دینی علوم کا اطمینان بخش حصہ انھیں حاصل نہ ہو جائے اور وہ پورے طور سے علم پر عامل نہ ہو جائیں، اس وقت تک انھیں درس وتدریس وعظ وخطابت اور دعوت وتبلیغ کی اجازت نہ دی جائے۔ بلفظ دیگر قرآن وحدیث کے مطلوبہ معیار پر جب تک وہ عالم نہ ہو جائیں انھیں دستار نہ دی جائے اور معیشت کے لیے کوئی متبادل صورت بھی اپنائی جائے۔ تعلیم صرف خلوص کے ساتھ ہو۔ علم دین دنیا کمانے کا ذریعہ نہ بننے پائے۔ اخلاصِ نیت اور مقصود کی عظمت پورے طور پر ذہن نشیں ہو۔

(۳) دینی تعلیم کے طلبا میں محنت ولگن کی کمی اور تعلیم میں جو تساہلی پائی جاتی ہے اس کی پوری ذمہ داری ان پر عائد نہیں کی جاسکتی، بلکہ اس تساہلی کے ذمہ دار اولین سطح پر اساتذہ اور ذمہ دارانِ مدرسہ ہیں۔ اگر اساتذہ اور اراکین مدرسہ دین پر عامل ہوں، تقوی شعار اور مخلص ہوں، طلبا کی تعلیم وتربیت بالکل اپنے بچوں کی طرح کریں اور طلبا کی کمیت پر نظر نہ کر کے کیفیت وحالت پر نظر مرکوز رکھیں تو ان کے صفات خیر

کا عکس طلبا پر پڑے گا۔ اور ان میں بھی اچھی حالت نظر آئے گی۔ چونکہ استاذ طالب علم کے لیے رول ماڈل ہوتا ہے، اس کی سیرت وخصلت کا عکس طلبا پر پڑتا ہے۔ جب استاذ ہی دنیادار ہوگا تو طلبا بدرجہ اولیٰ دنیادار ہوں گے۔ رہے اراکین تو ان کی حیثیت بھی طلبا کے لیے نمونہ عمل کی ہوتی ہے۔ اگر ان میں دینی تعلیم کے مقصود سے بے اعتنائی پائی جائے گی تو اس کا کچھ نہ کچھ اثر طلبا پر ضرور ہوگا۔

مدارس ایک طرح سے ایک ریاست ہیں۔ لہٰذا اس کے سارے کام شرعی خطوط وفقہی مسائل کی روشنی میں ہوں، نہ کہ مروجہ دنیاوی اصول پر۔ اساتذہ متقی اور دیندار اور صاحب روحانیت ہوں، نہ کہ محض عالم بے عمل، اور زاہدِ خشک۔ صرف انھیں طلبا کو ہی داخل مدرسہ کیا جائے جو فرائض دینیہ کو مقصود زندگی قرار دیں۔ ساتھ ہی حصول تعلیم، تزکیہ نفس واصلاح خلق کی نیت سے کریں۔ اراکین مدرسہ میں سے کوئی فاسق معلن نہ ہو، دین کا وفادار مجاہد ہو، ایسا مخلص ہو جس کا خلوص بالکل ظاہر ہو، دنیاوی سیاست سے مدرسہ کی فضا آلودہ نہ ہو۔



حضرت مولانا محمد رابع نورانی بدری زید علمہ

استاذ: دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف، وسجادہ نشین: آستانۂ بدر ملت علیہ الرحمہ، بڑھیا، سدھارتھ نگر

نحمده ونصلي ونسلم على رسوله الكريم

اس میں کوئی شک نہیں کہ مغرب کے عہد استیلا میں جہاں انسانیت کو اور بہت سارے خساروں سے دو چار ہونا پڑا – مثلاً دو عظیم جنگوں کی ہولنا کیوں کا منھ دیکھنا پڑا، اس قیامت خیز سانحۂ عظیم (یعنی ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹمی بمباری) کے انتہائی تلخ ترین گھونٹ پینے پڑے کہ جس نے پوری انسانیت کو ہلا کر رکھ دیا اور جسے تاریخ انسانیت کبھی فراموش نہیں کرسکتی – وہیں اس کا ایک بہت بڑا خسارہ عالمگیر خدا فراموشی اور خود فراموشی کی بھیانک شکل میں نمودار ہوا، جذبۂ خدا طلبی کا فقدان، فکر آخرت کا انعدام، اور حاسۂ مذہبی کا تعطل یہ سب اسی عہد نامسعود کے ثمرات ونتائج ہیں۔

مغربی تہذیب کا اصل فلسفہ ہی یہی ہے کہ آرائش، زیبائش، جاہ وجلال، مال ومنال، دنیاوی شہرت وعزت، اور سربلندی وسرفرازی ہی اصل مقصد حیات ہو، اور اپنی تمام تر نفسانی وجسمانی خواہشات کو لذت فانی سے مربوط کیا جائے۔ مغرب کے قاموس میں کہیں دین وایمان، فکر آخرت، اخلاق واقدار وروحانیات کے نہ الفاظ ہیں نہ ان کا تصور۔ مغرب کی سرپرستی میں جاری مادیت کی اس طوفانی لہر اور اس سیل رواں سے نہ کوہسار بچا ہے نہ مرغ زار، جوئے بار کیا بچے گا؟ اس کا پانی اس قدر بلند ہوا کہ شواہق الجبال پر رہنے والے مدارس بھی اس کی زد سے نہ بچ سکے۔ مادیت کے اس سیلاب سے نہ مدارس کے ذمہ داران محفوظ رہ سکے نہ ان کے اساتذہ **إلا ما شاء الله تعالى**.

ماضی میں ہمارے اسلاف جو اساتذہ بھی تھے اور مدارس کے ذمہ دار بھی ان کا حال یہ تھا کہ عظیم الشان ایمان وعزیمت، اخلاص وایثار، خدا طلبی کا ذوق، جذبۂ قربانی، فکر آخرت، اسلامی روایات واقدار واخلاق وآداب کے حامل، عالی ہمت، بلند سیرت وکردار کے مالک تھے، دین وشریعت کے انتہائی سرگرم مبلغ، اصلاح احوال، تزکیۂ نفس، تربیت دینی میں از حد دلچسپی لیتے تھے، مدارس کے ذمہ دار یا اساتذہ کی حیثیت سے مزید جن اوصاف، خصوصیات کا حامل ہونا ضروری تھا وہ ان سے بدرجۂ اتم متصف تھے۔ مگر ؎

جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

اب ان اخلاف کی باری تھی جو ان اسلاف کی راہ سے یکسر منحرف، ان کے طے کردہ خطوط وہدایات پر غیر عامل، مغرب کے فلسفہ پر کاربند، مادیت میں سرتاپا غرق، وہی جاہ طلبی، وہی نام ونمود کی خواہش، وہی حرص مال ودولت، وہی دنیاوی عزت وشہرت ان کا نصب العین

اور مطمح نظر ہے، شعر کے اس مصرع کے پورے مصداق کہ ۔

تن کی دنیا تن کی دنیا سود وسودا مکر وفن

إلا ما شاء الله تعالى.

عہد حاضر کے مدارس جو انھیں اخلاف کی سر پرستی میں چل رہے ہیں ان کا حال، ان کے فضلا اور علما کا حال کیسا ہے؟ اس کے تعلق سے حضرت بدر ملت علیہ الرحمہ تحریر کرتے ہیں:

لیکن افسوس! کہ علم وعمل کا یہ خوشگوار ماحول اب بری طرح بگڑ چکا ہے دور حاضر کے اسلامی درسگاہوں کے فارغ التحصیل علماء ان میں اکثر وبیشتر حضرات تقاضۂ دین سے نا آشنا ہیں، ان کا دامن علم نافع سے خالی ہے ان کے پاس عمل صالح کی پونجی نہیں ان کے کردار اور عام فاسقوں کے اعمال میں کوئی امتیاز نہیں ان کے طرز عمل سے اسلامی معاشرہ سدھرنے کے بجائے بگڑتا جارہا ہے، ان کا ٹڈی دل لشکر موجود ہے لیکن پھر بھی مسلمانوں کی دینی حالت پست ہے، باطل پرستوں کا زور ہے، صلح کلیت کا غلبہ ہے، سنیت بے کسی کے عالم میں دم توڑتی جارہی ہے، اس تشویش ناک صورت حال کا سبب بالکل ظاہر ہے، ادارے قائم ہیں، دینی تعلیم کے لئے مسلمانوں سے چندہ لیا جاتا ہے، اسلامی تعلیم کے نام پر، مگر افسوس کہ ان تعلیمی اداروں میں نہ تو علم نافع کی لگن ہے، نہ عمل صالح کا کوئی پرسان حال ہے (مضامین بدر ملت ص/ ۵۵)

ایسے حالات اور ایسے ماحول میں اصل مقصد تعلیم وتربیت نہ ہوکر دوسرے مقاصد اس کی جگہ لے لیتے ہیں زیادہ سے زیادہ عمارتوں کی تعمیر، شعبوں کا اضافہ، طلبہ کی کیفیت سے زیادہ ان کمیت پر توجہ، قوم کے سامنے سرگنانے کے لئے طلبہ کی ایک تعداد ہو جن کی سروں پر دستار باندھ دی جائے خواہ صحیح معنوں میں عالم ہوں یا نہ ہوں، پھر اساتذہ کے تقرر میں صلاحیت اور صالحیت کو کم دیکھا جاتا ہے اولیں ترجیح یہ ہوتی ہے کہ انتظامیہ کے تئیں (ذاتی حیثیت سے، ادارہ جاتی حیثیت سے نہیں) کتنا وفادار ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ بعض مدارس میں مدرسہ اپنا کوئی شخصی وجود نہیں رکھتا بلکہ مہتمم صاحب میں ضم رہتا ہے سب کچھ وہ ہوتے ہیں، اصل وجود انھیں کا ہوتا ہے، پورا مدرسہ، طلبہ، اساتذہ انہیں پر گردش کرتے ہیں، انہیں خوشنودی اور ناز برداری میں لگے رہتے ہیں انھیں کی تئیں اپنی وفاداری ثابت کرتے میں سرگرداں و پریشان رہتے ہیں کیوں کہ وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اصل یہ ہیں، مدرسہ تو فرع ہے حضرت کی وفاداری میں کمی نہ آئے باقی رہا تعلیم وتربیت کا معاملہ تو موقع ملے گا تو اسے بھی دیکھ لیں گے (ویسے تو ہمارے وطن عزیز میں تعلیم یتیم ہے)

بچے اپنے بڑوں سے سیکھتے ہیں

چونکہ بچے اپنے بڑوں سے سیکھتے ہیں اور ان کے بڑے یہی اخلاف ہیں جو اسلاف کی راہ سے یکسر منحرف ہیں تو جیسے بڑے ویسے چھوٹے، تو جو کچھ طلبہ میں تساہلی اور نظم وضبط کی کمی پائی جاتی ہے وہ انھیں حضرات اخلاف کا کرشمہ ہے کہ وہ تعلیم وتربیت کے حوالے سے ذرا بھی حساس نہیں، اپنی تعظیم وتوقیر کے حوالے سے ذرا بھی کمی ہوجائے پورا مدرسہ سر پر اٹھالیں گے، مگر تعلیم وتربیت میں بڑی سی بڑی کمی ہونے پر بھی کان پر جوں نہیں رینگتی۔

رہا طلبہ کا اس کے تعلق سے ذمہ دار ہونا تو وہ بھی اس تعلق سے ضرور ذمہ دار ہیں مگر ان سے کہیں زیادہ ان کے اساتذہ اور منتظمین ذمہ دار ہیں، کیوں کہ بچے بہر حال بچے ہیں اور مزید سادہ لوح بھی۔

انھیں سلف صالحین کی راہ پر ان کے طریقۂ تعلیم وتعلم پر گامزن کرنے سے پہلے خود ان کی راہ پر گامزن ہونا پڑے گا، ذمہ داران مدارس اور اساتذہ اپنے بچوں کے سامنے ایک بہترین آئیڈیل اور لائق تقلید نمونہ کے طور پر پیش ہونا پڑے گا، مدارس کے ذمہ داران اور اساتذہ

اپنے آپ کو پہلے سے یوں مختلف کریں کہ وہ ہر کام میں اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا جوئی ہر شیء پر مقدم رکھیں، شان تواضع اور شان استغنا بیک وقت ان کے وجود پر منعکس ہوں کہ، تبلیغ ونصیحت، گفتگو اور معاملہ میں انتہائی متواضع، منکسر المزاج مگر سیم وزر اور اکل وشرب کے معاملے میں انتہائی خوددار اور بے نیاز ہوں، ذہن آفاقی ہو، فکر میں وسعت ہو اداراجاتی عصبیت سے نفور ہو اور اس شعر کے مطابق۔

نگہ بلند، سخن دل نواز جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

مگر منتظمین واساتذہ میں یہ مثبت تبدیلی ایسے نہیں ہوگی، دل وجاں کا انقلاب، دینی تربیت، تزکیۂ نفس اور اسلامی سانچے میں ڈھلی زندگی صناعی اور میکانکی طریقوں سے نہیں پیدا ہوگی، یہ حکومت، اور آرڈر بک سے نہیں بلکہ روحانیت کی راہ سے ہوگی، جو یہ کسی صاحب نظر کی نظر سے پیدا ہوگی، اپنے زمانے کے کسی ایسے شمس تبریز کے خدمت میں تزکیۂ نفس، ریاضت ومجاہدہ اور تربیت روحی سے حاصل ہوگی جو ان کے اندر وہ کیفیات اور وہ جذبات پیدا کردے جو ان کے تار نفس کو چھیڑ دے، ان کے احساسات کو بیدار کردے اور ان کی زندگی بدل کر رکھ دے، جو انھیں اسلامی اخلاق وآداب نظریاتی طریقے سے زیادہ عملی طور سکھا یا دے، جو ان کے اندر علم یعنی صحیح علم اور مضبوط یقین پیدا کیا جائے وہ علم نہیں جو دل کا نفاق، دماغ کا تعیش، زبان کی ورزش، بےعملی اور فلسفہ آرائی ہے، جو انکے لئے، ثواب،''رضائے الٰہی''''نجات اخروی'' ''فلاح دارین'' کے الفاظ میں مقناطیس کی کشش پیدا کردے کہ یہ تمام خواہشات، مصالح، دنیاوی ترغیبات پر بآسانی فتح دے دیتی ہے۔

جب یہ اساتذہ اور ذمہ داران مدارس اپنے آپ کو بدل چکے ہوں گے، ان کے اندر صحت مند انقلاب آچکا ہوگا، اب وہ روشن چراغ ہوچکے ہوں گے تو اب وہ طلبہ میں مثبت تبدیلی لاسکیں گے۔

چراغ سے چراغ جلتے ہیں

کہتے ہیں کہ چراغ سے چراغ جلتے ہیں یہ مثل یہاں پوری طرح صادق ہے یقیناً اب انھیں روشن چراغوں سے یعنی تربیت یافتہ علماء واساتذہ جو اب علمائے ربانیین کہے جانے کے مستحق ہیں طلبہ روشن ہوں گے ان کی زندگیوں میں انقلاب بپا ہوگا، یہ باعمل علماء انھیں جن باتوں کی تلقین کریں گے طلبہ ضرور ان پر عمل پیرا ہوں گے کہ از دل خیزد بر دل ریزد کا معاملہ ہوگا، جب ایسے علماء ان کے اندر اخلاص، تصحیح نیت ،اور ایمان واحتساب کا جذبہ پیدا کریں گے تو جذبہ ضرور پیدا ہوگا، جب وہ انھیں محنت ولگن سے پڑھنے کے لئے، ایثار وقربانی، تقوی وپرہیزگاری اختیار کرنے کے لئے کہیں گے تو ان کی یہ دعوت ہرگز رائیگاں نہ جائے گی، بلند نصب العین اور وہ مقدس کام جس کے لئے وہ تیار کئے جارہے ہیں اسے سن کر، جان کر ان کا دل ولولوں سے معمور، جوش ومستی سے مخمور ہوجائے گا، جب وہ اپنے باکردار اساتذہ وذمہ داراں کی زبانی یہ سنیں گے کہ آج دنیا کے بازار میں مادیت پر ایمان بہت ہے، مگر اس کے پاس تراث نبوت نہیں ہے، خودغرضیاں بہت ہیں، مگر اخلاص نہیں ہے، نفرت کے شعلے بہت ہیں مگر محبت کی باد بہاری نہیں ہے، کذب، نفاق، غدر، فریب، دسیسہ کاریاں اور بےحیائیاں بہت ہیں مگر ان کے بالمقابل صدق، وفا، اصلاح باطن، طہارت نفس اور پارسائیاں نہیں ہیں، تو وہ پورے جوش اور خروش کے ساتھ، مضبوط کردار وعمل کے ساتھ دنیا کے بازار میں ان سامانوں کا تحفہ لیکر اترنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں گے جو اس کے پاس نہیں ہیں، وہ اس کے پاس اخلاص، محبت، صدق، وفا، اصلاح باطن، طہارت نفس اور پاکدامنی اور پارسائی اور سب سے بڑھ کر تراث نبوت لیکر جائیں گے جس کے نتیجے میں وہ دیکھیں گے کہ دنیا والہانہ انداز میں ان کے لئے اپنی پلکیں بچھائے استقبال میں کھڑی ہے اور اس حوالے سے اپنے آپ

کومخاطب کر کے یہ شعر پڑھیں گے کہ:

برخود نظر کشا ز تہی دامنی مرنج ☆ در سینہ تو ماہ تمامے نہادہ اند

اور جب انھیں یہ معلوم ہوگا کہ آج دنیا میں تخریب کاری بہت ہے توڑ پھوڑ بہت ہے، شکست وریخت بہت ہے اور وہ معمار حرم ہیں اور انھیں کو دنیا کی تعمیر نو کے لئے اٹھنا ہے تو وہ اپنے ان صفات واخلاق، عادات واطوار اور خصائص وخصائل سے آراستہ وپیراستہ کرنے کی کوشش کریں گے جن کی انھیں جہاں کی تعمیر نو میں ضرورت پڑے گی۔ **واللہ هو الموفق وهو المستعان.**

☆☆☆

حضرت مولانا مفتی محمد توفیق احسنؔ برکاتی زید علمہ

استاذ: جامعہ غوثیہ نجم العلوم، ممبئی۔

جیسے جیسے دنیا مادی ترقی کے زینے طے کر رہی ہے، انسانی نظریہ، انسانی سوچ اور اخلاقی اقدار کے زاویے بدلتے جا رہے ہیں، پہلے بھی زمین وسیع وعریض تھی، اب بھی ہے، لیکن اس کی وسعت انسانی دائرہ کار سے مانع نہیں رہ گئی۔ اب دنیا ہماری مٹھی میں ہے اور ہمارا مطالعہ مشاہدہ بن چکا ہے، لیکن اس مشاہدے کو ہم محض مادی زندگی کی کامیابی کے لیے استعمال کر رہے ہیں، حالاں کہ یہی مشاہدہ خالق کائنات کی ذات پر کامل اعتماد کا سبب ہے اور اسی کے ذریعے ایک بندہ مومن اپنی ایمانی توانائی کو تحفظ دیتا تھا- سائنس کے عروج کو بھی اسی نظریہ سے دیکھا جانا چاہیے تھا مگر جس طرح دنیا نے دیکھا ہم نے بھی اسی آنکھ سے ان کا مشاہدہ کیا، نتیجہ سامنے ہے کہ ہم بھی دنیا کے اسیر ہو گئے اور ہماری ساری توانائی اسی کے حصول میں خرچ ہونے لگی۔ دنیا کے نام نہاد دانش مندوں نے دنیا کے باشندوں کو یہی نظریہ دیا اور اس فرضی حقیقت کا اتنی بار اعادہ کیا کہ اب ہر کوئی محسوس کرنے لگا کہ اگر ہم ان کی ہاں میں ہاں ملا کر اپنی حیات کے کاز کو انجام نہیں دیں گے تو زندگی جینا مشکل ہو جائے گا۔ اس غلط سوچ نے ہمیں مادے کو طاقت فراہم کرنے میں لگا کر روح کی توانائی سے بیگانہ کر دیا- جب کہ ہمیں ہر ترقی کو مذہب کی آنکھ سے ملاحظہ کرنا چاہیے، ہم بار بار یہ کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب ہمیں بیکاری، معاش سے بے پروائی اور اقتصادی طور پر مفلوجیت کا قطعاً حکم نہیں دیتا لیکن اتنا ضرور کہتا ہے کہ حقیقت میں وہ شخص کامیاب وکامران ہے جو دنیاوی حیات کے ہر لمحے میں اپنی مذہبی تعلیمات کو فراموش نہ کرتا ہو اور اپنے تمام فیصلے شریعت سے لیتا ہو۔ اس طرز عمل سے خالق کائنات پر اس کا اعتماد بھی فزوں ہوتا ہے اور رزق کی حصے داری پر یقین بھی بڑھ جاتا ہے-

دنیا کا نام نہاد نظریہ ہماری مذہبی زندگی میں بھی داخل ہو چکا ہے، خانقاہیں ہوں، تربیتی مراکز ہوں، مساجد ہوں، مدارس ہوں، رفاہی ادارے ہوں ان جگہوں میں رہنے والے اکثر ذہنوں میں یہ خواب مچلتا رہتا ہے کہ یہاں رہ کر ہمیں اپنی دنیا کی تابانی کے لیے کوشش کرنی ہے اور بس۔ ہاں چند ہی خلوص مند اور آخرت کی جواب دہی کا خیال رکھنے والے ملیں گے، ان کی سوچ مختلف ہوتی ہے اور ان کی زندگیوں میں: ”**ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الأخرة حسنة وقنا عذاب النار**“ کا اثر رہتا ہے۔ وہ دنیا کی چند روزہ زندگی کو ہی سب کچھ نہیں سمجھتے، ان کی نگاہوں میں آخرت کے حساب وکتاب کے مناظر ہمہ وقت رقصاں رہتے ہیں-

دینی مدارس میں طلبہ عموماً غریب خاندان سے آتے ہیں، کچھ متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، اعلیٰ خاندان کے بچے اکثر کالج، یونیورسٹی کا رخ کرتے ہیں، ان کا رجحان عصری تعلیم کی طرف ہوتا ہے اور وہ پروفیشنل طور پر کمانا اور جینا چاہتے ہیں، سو وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ جو والدین اپنے بچوں کا داخلہ مدارس میں کرواتے ہیں ان میں پچاس فیصد کی سوچوں میں یہ بات رہتی ہے کہ بعد فراغت میرا بچہ میری معاشی

زندگی کو خوش حالی میں بدل دے گا اور ہماری زندگی کی گاڑی پٹری پر آجائے گی۔ بقیہ والدین ایسے ہیں جو اپنے بچوں کو اس لیے دینی تعلیم کے لیے مدارس میں بھیجتے ہیں تا کہ مذہبی اعتبار سے ان میں رسوخ پیدا ہو، بچہ عالم بن کر دین کی خدمت کرے، خاندان کا نام بھی روشن ہو اور وہ دارین میں اپنے ماں باپ کی کامیابی کی ضمانت بن سکے۔ مدرسے میں آنے کے بعد جیسے جیسے اس کی تعلیم آگے بڑھتی ہے، اس میں شعور و آگہی آنا شروع ہو جاتی ہے، وہ ماں، باپ، گھر، خاندان، سوسائٹی اور زندگی کی مختلف حیثیتوں کو پہچان لیتا ہے، اپنے اساتذہ کی زندگی کو دیکھتا ہے، ان کے حالات مشاہدے میں آتے ہیں، ان کے نظریات کا علم بھی آہستہ آہستہ اسے ہونے لگتا ہے سو اس کی سوچ میں وہی رنگ دکھتا ہے، اگر استاذ نظم وضبط کا خیال رکھنے والا ہوتا ہے تو یہ رنگ بھی وہ قبول کرتا ہے، ان کی محنتوں کے اثرات بھی طلبہ کی زندگیوں میں نظر آتے ہیں، ان کی علمی، تدریسی، قلمی و تبلیغی خدمات بھی اپنا اثر دکھاتی ہیں، اس کا احساس بھی طلبہ کو ہوتا ہے اور وہ یہی مزاج لے کر آگے بڑھتے ہیں- جن مدارس کے اساتذہ میں دنیا داری کا عنصر زیادہ ہوتا ہے، وقت گزاری ان کی فطرت میں ہوتی ہے، وہ تدریس کو ملازمت سمجھتے ہیں، وہاں زیر تعلیم بچے بھی اسی سوچ کے مالک ہوتے ہیں، وقت گزاری ان کا مشغلہ ہوتا ہے، دینی شعور کم کم ہوتا ہے اور خدمت دین کا جذبہ نہ کے برابر ہوتا ہے، اس لیے بعد فراغت ان سے کسی مذہبی و علمی خدمت کی توقع فضول ہی ہے-

آپ سروے کر لیجیے، جن مدارس کے اساتذہ علم دوست، ذمے دار، احسان شناس، مداہنت سے دور اور علمی و فکری طور پر ہمہ وقت کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں وہاں کے طلبہ میں یہ رنگ دکھائی دیتا ہے، اس کا اندازہ بعد فراغت ان فارغین مدارس کے دینی و ملی، علمی و قلمی کاموں سے لگایا جا سکتا ہے-

استاذ، طالب علم کے لیے رول ماڈل ہوتا ہے، اس کا احساس سب کو ہونا چاہیے اور یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے، معمہ تو بالکل بھی نہیں۔ اس لیے اساتذہ، انتظامیہ سب کو اپنی حیثیت کا خیال کرنا لازمی ہے، ان کا منصب، ان کی ذمے داریاں بہت عظیم ہیں، اس لیے اس کی محافظت بھی ضروری ہے۔ زبان، بیان، اور لب و لہجے میں سنت کی پابندی، عبادات کی ادائیگی، تعین اوقات، تدریسی امور میں احساس ذمے داری، غیر تدریسی معاملات میں بھی شفافیت اور اخلاق و کردار کی عمدگی ایک کامیاب تدریسی زندگی کا لازمہ مانا گیا ہے۔ اگر اساتذہ میں یہ رنگ پیدا ہو جاتا ہے تو طلبہ خود بخود اس رنگ میں رنگ جائیں گے۔ آئے دن کی آپسی نوک جھونک، انتظامیہ اور اساتذہ کے مابین اختلافات، چندے کے مسائل، یہ ایسے امور ہیں جو طلبہ سے پوشیدہ نہیں رہتے اور اس کا غلط اثر ان کی تعلیم، تربیت اور ذہن سازی پر پڑتا ہے، جس سے ان کی شخصیت اور فکر و شعور متاثر ہوتا ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ انتظامیہ اپنی ذمے داریاں محسوس کرے اور اساتذہ کے کاموں میں دخل نہ دے اور اساتذہ بھی اپنا تدریسی مشغلہ پوری تندہی کے ساتھ جاری رکھیں، ان شاء اللہ اس کا اثر طلبہ قبول کریں گے- ہمیں نصاب تعلیم میں کچھ ایسے مضامین کو شامل کرنا ہوگا جن کا تعلق احساس ذمے داری، نعمت الٰہیہ کی قدر شناسی، وقت کی اہمیت، آخرت کی جواب دہی، احسان وسلوک اور اخلاقی اقدار کے تحفظ سے ہو، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اہمیت اس میں موجود ہو، اسلاف کے دور طالب علمی کو بھی ان میں شامل رکھنا ہوگا کہ یہی چیزیں کچھ سمجھنے کا موقع فراہم کرتی ہیں اور کچھ سیکھنے پر آمادہ کرتی ہیں-(09819433765)

☆☆☆

حضرت مفتی شریف الرحمٰن رضوی زید مجدہ

جنرل سکریٹری: آل کرناٹکا سنی علما بورڈ

مدارس اسلامیہ کے تعلیمی نظم وضبط سے متعلق ماہنامہ پیغام شریعت کا مراسلہ نظر نواز ہوا۔ درحقیقت اس قسم کی پلاننگ آج سے

پچاس سال قبل ہی طے ہوجانی چاہئے تھی۔ مدارس اسلامیہ میں طلبا اپنی عمر کا نوسالہ قیمتی وقت گذارتے ہیں۔فراغت کے وقت وہ جوانی کی عمر پہنچ جاتے ہیں۔اب انہیں معاش کی جانب متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ پھر جب وہ فراغت کے بعد کسی مسجد یا مدرسہ سے منسلک ہوتے ہیں تو بالعموم انہیں مختلف قسم کے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اب ان فارغین کے حالات کو دیکھ کر زیر تعلیم طلبا کا خوفزدہ ہونا اور اپنے مستقبل سے مایوس ہونا ایک فطری امر ہے۔اب اس مقام پر وعظ ونصیحت کی بجائے مشکلات کے حل کی ضرورت ہے۔سب سے بہتر طریقہ یہی سمجھ میں آتا ہے کہ فضیلت کا کورس محض چار/ پانچ سال کا ہونا چاہیے۔تاکہ فراغت کے بعد فارغین کے پاس کچھ وقت باقی رہے۔اس مدت میں وہ اپنے معاش کیلئے کچھ سیکھ سکیں۔یا اسکولی تعلیم حاصل کرسکیں۔

نصاب تعلیم کی مدت میں تخفیف اسی وقت کامیاب ہوگی۔جبکہ یہ اقدام اہل سنت وجماعت کی اعلیٰ تعلیم گاہوں کی جانب سے ہو۔

حالات حاضرہ کے اعتبار سے تقلیل مدت ایک قابل قبول امر ہے۔کیونکہ نصاب تعلیم میں بہت سی ایسی کتابیں بھی شامل ہیں جن کو نصاب سے خارج کردینے پر تعلیمی معیار متاثر نہیں ہوتا۔پھر جو مزید تعلیم حاصل کرنا چاہیں،ان کے لیے تخصص کے شعبہ جات مختلف مدارس اسلامیہ میں موجود ہیں۔مولانا طارق انور مصباحی رکن آل کرناٹکا سنی علماء بورڈ (کرناٹک) کی جانب سے مشترکہ تعلیم گاہوں کی پلاننگ بھی مفید اور قابل قبول ہے۔ماہنامہ ''پیغام شریعت'' کے مئی، جولائی اور ستمبر کے شماروں میں موصوف نے بالتفصیل اپنے افکار ونظریات کو سپر دِ قلم کردیا ہے۔اور مختلف قسم کی مذہبی تعلیم گاہیں ہونا مناسب ہے۔تاکہ ہر کوئی اپنی پسند کے مطابق تعلیم گاہ کو منتخب کرسکے۔

شریف الرحمٰن رضوی جنرل سکریٹری آل کرناٹکا سنی علماء بورڈ (کرناٹک)



حضرت مولانا ذوالفقار رضا نوری

خطیب وامام مرکزی مسجد بلال بنگلور (کرناٹک)

مدارس اسلامیہ کے طلبا کی تعلیمی بے ذوقی اور مستقبل سے ان کی یاسیت وقنوطیت سے متعلق ماہنامہ ''پیغام شریعت'' کا مراسلہ دیکھ کر متعدد خیالات ذہن میں گردش کرنے لگے۔اپنا عہد طالب علمی بھی یاد آنے لگا۔یہ عصر حاضر کا انتہائی پیچیدہ موضوع بحث ہے۔چونکہ اس بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ۔لیکن حقی دنیا میں کوئی تبدیلی نہ آسکی۔جبکہ کیرلا کے شوافع نے اپنا عمدہ نصاب ونظام نافذ العمل کرلیا ہے۔دراصل جو حضرات ارباب حل وعقد ہیں، وہ اپنے آپ میں مگن ہیں۔وہ مجھ سے اچھا سوچ سکتے ہیں۔لیکن انہیں اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ہم جیسوں کا کچھ کہنا صدا بصحرا کے مماثل ہے۔تاہم مراسلہ میں مذکور تینوں سوالوں کے جوابات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) طلبا کے عدم نظم وضبط کے مختلف اسباب ہیں اور سب سے اہم یہ کہ دنیا کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر ہر بچہ باشعور ہوتے ہی مادیت کے بارے میں متفکر نظر آتا ہے۔خواہ وہ مدارس اسلامیہ کے متعلمین ہوں یا اسکول وکالج کے اسٹوڈنٹس۔جب طلبائے مدارس کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگتا ہے تو وہ اس تعلیم سے بددل ہوجاتے ہیں۔

(۲) عہد حاضر میں سلف صالحین کے طریقہ کار کی جستجو رات کو سورج تلاش کرنے کے مماثل ہے۔احادیث کریمہ میں بھی اشارات موجود ہیں کہ نسل مابعد،نسل ماقبل سے فضل وشرف اور علم وعمل میں کمتر ہوگی۔خیر القرون قرنی اور اسی قسم کے مفاہیم کی وضاحت کے لیے متعدد احادیث طیبہ موجود ہیں۔ہاں ممکن ہے کہ کوشش وکاوش کے بعد ہزاروں میں معدودے چند اسلاف کرام کے طریقہ کار پر گامزن ہوجائیں۔............ (باقی صفحہ ۵۴ پر)

مودی حکومت، گائے اور لاقانونیت

طالبان کی نشأۃ ثانیہ کا اشاریہ

ترجمہ وپیش کش: جاوید عنبر مصباحی ambermisbahi@gmail.com

ہندوستان میں ویسے تو گائے کا مدعا دہائیوں سے گرم ہے، مگر آر ایس ایس (بی جے پی) کی حکومت بنتے ہی یہ مدعا اپنے شباب پر پہنچ جاتا ہے، مودی حکومت نے تو لاقانونیت کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے ہیں۔ انگریز بھکتوں کو دیش بھکت اور دیش بھکتوں کو غدار کہنے کی مہم کے ساتھ گائے سے دودھ اور گوبر کے علاوہ ووٹ کی بھی امید کی جارہی ہے۔ گئو رکشا کے نام پر قانون ہاتھ میں لینے والے اور ان کے سرپرستوں کا سایہ مسٹر مودی پر ہے یا مسٹر مودی کا سایہ ان لوگوں پر اس میں فرق کرنا کافی مشکل ہوگیا ہے۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ زرخرید میڈیا صرف انہی خبروں کو نشر کرتا ہے جو حکومت پہ قابض افراد کے لیے مثبت ہوتی ہیں جبکہ تنقیدی تجزیات پہ چپی سادھ لی جاتی ہے، گئو رکشا کے موضوع نے ہند کی ساکھ کو سخت نقصان پہنچایا ہے اور یہ دہشت گردی آج بھی جاری ہے، حالیہ تناظر میں پیدا ہونے والے اثرات کو سمجھنے کے لیے ہم نے تین انگریزی مضامین کا ترجمہ کر کے جمع کر دیا ہے، ان میں سے اول نیویارک ٹائمز امریکہ کے ادارتی بورڈ کا تحریر کردہ ہے جبکہ دوسرا اور تیسرا اہل وطن کالم نگاروں کا ہے۔ امید ہے کہ قارئین کے لیے یہ مضامین دلچسپ ثابت ہوں گے۔ عنبر مصباحی

مودی اور ہندوستان کا دَلت

تحریر: اِدارتی بورڈ، نیویارک ٹائمز، اَمریکہ۔ ترجمہ: جاوید عنبر مصباحی

ہندوستانی ریاست گجرات کے سب سے عظیم شہر احمد آباد میں ہندوستان کے کمزور ترین طبقہ دَلت سماج کے ہزاروں لوگوں کی طرف سے کیے جانے والے مظاہرہ نے وزیر اعظم مودی کے نعرہ 'سب کا ساتھ سب کا وِکاس' اور دائیں بازو کی ہندوآئیڈیالوجی کے منافرانہ سیاست کے درمیان بڑے تضاد کی نشاندہی کی ہے۔

یہ مظاہرہ (طویل مدت سے ظلم کی چکی میں پسی ہوئی ذات کو سونپی گئی حقارت آمیز ذمہ داری) مردہ گائے سے چمڑا اُتارنے کی ڈیوٹی نبھارہے چار دلتوں پر گجرات میں 'اُنا' کے قریب ۱۱ر جولائی کو 'گئو رکشکوں' کی طرف سے کیے گئے حملے کے خلاف منعقد کیا گیا تھا۔ بھیڑ نے انھیں کمر تک برہنہ کر کے ایک کار سے باندھ دیا اور گھنٹوں مارتی رہی، جبکہ لوگوں کے ساتھ پولیس بھی تماشہ دیکھتی رہی۔ مودی کی زیر قیادت بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومت میں ہندوؤں کی مقدس مانی جانے والی گائے شدت پسند ہندوؤں کے لیے ایشو بنانے کا ذریعہ بن گئی ہے۔ خود مودی کے ذریعے بھی گائے کھانے کے مدعا سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ بی جے پی صدر امت شاہ کا اعلان یہ ہے کہ جہاں جہاں بی جے پی حکومت بنے گی بیف پر پابندی لگے گی۔ اتوار کو ایک بی جے پی ممبر پارلیمنٹ راجا سنگھ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ 'میں ان لوگوں کو اپنی مکمل حمایت دیتا ہوں جنھوں نے اپنے طور پر قدم اُٹھاتے ہوئے ان دلتوں کو شاندار سبق سکھایا ہے۔'

نتیجہ ظاہر ہے کہ غیر قانونیت کا بول بالا ہے۔ پچھلے سال ستمبر میں بھیڑ نے ایک مسلمان کو صرف اس شک کی بنیاد پر مار مار کر ہلاک کر دیا کہ اس کا خاندان بیف کھاتا ہے۔ مارچ میں ریاست جھارکھنڈ میں دو گائے تاجروں کو (پھانسی دے کر) مار دیا گیا۔

دلتوں نے اس وقت تک مردہ گائے کو انجام کار تک پہنچانے سے انکار کر دیا ہے جب تک انھیں یہ یقین دہانی نہیں کرائی جاتی ہے

کہ وہ محفوظ ہیں اور زمانے سے ڈھایا جانے والا ستم اب ختم ہو جائے گا۔ اگر چہ دلتوں میں بیداری آئی ہے اور ان کے درمیان خواندگی کی شرح بڑھی ہے مگر انھیں ابھی بھی اذیت ناک تفریق کا سامنا ہے، ذات کی بنیاد پر کیے گیے ناجائز تعاقب کی وجہ سے جنوری میں ایک دلت پی ایچ ڈی طالب علم نے خودکشی کر لی۔ بارہ سال تک گجرات کے حکمراں رہے مودی کو ۲۰۱۴ء میں اس وعدے پر شاندار کامیابی ملی کہ وہ گجرات کے معاشی ترقی ماڈل کی طرح پورے ہندوستان کی تصویر بدل دیں گے، مگر بے روزگار مڈل کلاس ذات پٹیل کی طرف سے پچھلے سال ستمبر میں کیے جانے والے مظاہروں نے یہ پیغام دیا ہے کہ کچھ کرنے کی صلاحیت رکھنے والے (ہنرمند) بھی گجرات میں جھوجھ رہے ہیں۔

سوموار کو خود مودی کی جانب سے منتخب کیے گئے اپنے جانشیں یعنی وزیر اعلیٰ گجرات محترمہ آنندی بین پٹیل نے استعفیٰ دیدیا، جو گجرات کی اتھل پتھل سے بے چین بی جے پی کی فکرمندی کی نشانی ہے کہ یہ تلاطم آیندہ ہونے والے اسمبلی اور ۲۰۱۹ء میں ہونے والے عام انتخابات میں زبردست نقصان کی وجہ بن سکتا ہے۔ اور یہ ہونا طے ہے اگر مسٹر مودی 'گئو رکشکوں' پر اپنی 'ڈھٹائی بھری خاموشی' نہیں توڑتے اور اپنے سیاسی کمپاس میں روزگار کے مواقع، عزت اور انصاف کی بنیاد پر تبدیلی نہیں لاتے ہیں۔ (۳/اگست ۲۰۱۶ء)

(http://www.nytimes.com/2016/08/03/opinion/modiandindiasdalits.html)

نوٹ: یہی وہ مختصر مضمون ہے جس نے مودی کو 'مون برت' توڑنے پر مجبور کیا محتاط جملوں میں ادارتی بورڈ نے بہت کچھ کہہ دیا ہے۔

وزیر اعظم اور گئو رکشک

تحریر: اُرن شری واستو۔ ترجمہ: جاوید عنبر مصباحی

پاکستانی حکمرانوں کی سوچ 'برے طالبان' اور 'اچھے طالبان' کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہمارے وزیر اعظم نریندر مودی نے 'گئو رکشکوں' کو 'اچھے گئو رکشک' اور 'برے گئو رکشک' کے خانوں میں تقسیم کیا ہے۔ یہ دلتوں پر حملہ اور ان کے ٹارچر کے مجرم گئو رکشکوں کو بچانے کی مودی کی بڑی خوبصورت ترکیب ہے، گئو رکشا آر ایس ایس کے اہم ایجنڈوں میں شامل ہے اس لیے مودی کھلم کھلا اس مہم کی مذمت نہیں کر سکتے ہیں۔ **مودی کے نظریات سے طالبانی کی نشأۃ ثانیہ کا احساس ہوتا ہے۔** 'اچھے طالبان' ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو مملکت پاکستان پر حملہ نہیں کرتے، بلکہ اس کے دشمن ملکوں انڈیا اور افغانستان وغیرہ پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ افغانستان طالبان اس لیے اچھے ہیں کہ ان کو پاکستان ٹریننگ دیتا ہے اور اس سے اس کے 'برے طالبان' کی فکر کو تقویت ملتی ہے۔ پاکستانی حکمرانوں نے کراچی کی لاقانونیت کو برے طالبان کی طرف منسوب کر دیا جبکہ اچھے اور برے طالبان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ سب پاکستانی فوج کا چھلاوہ ہے۔

سب سے حیرت والی بات یہ ہے کہ گئو رکشکوں پر برستے ہوئے انھوں نے یہ انکشاف کیا کہ گئو رکشکوں کی اکثریت سماج مخالف گتی ویدھیوں میں ملوث ہے۔ جو اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کو چھپانے کے لیے گئو رکشک ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اگر ان چیزوں سے وہ اچھی طرح باخبر ہیں تو پھر ایکشن لینے میں کیا موانع تھے!!! یہ ایک کھلا راز ہے کہ گئو رکشک آر ایس ایس کے ممبر ہیں۔ اچھے اور برے طالبان کی طرز پر اچھے اور برے گئو رکشک کی تقسیم درحقیقت ایک گہری سازش کا اشاریہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ خاردار یوپی انتخاب میں کامیابی کے لیے دلتوں کے بھڑکے جذبات کو ٹھنڈا کرنے اور ان کا دل جیتنے کی کوشش ہے۔ برے گئو رکشکوں پر ان کا حملہ نظروں کی زبان سے زیادہ صاف ہے۔ یہ بھی بعید نہیں ہے کہ وہ کچھ دنوں بعد یہ الزام عائد کریں کہ سیکولر اور آر ایس ایس مخالف طاقتیں آر ایس ایس اور بی جے پی حکومت کو بدنام کرنے کے لیے اس طرح کی حرکتیں کر رہی ہیں۔ یہ ایک کھلا راز ہے کہ آر ایس ایس اور اس کی حامی تنظیمیں گائے کو مرکزی بحث بنا کر قوم پرستی کے نام پر گندے کھیل میں ملوث ہیں۔ مودی کو اس بات کی ضرور وضاحت کرنی چاہئے کہ گئو رکشا کے نام پر ۸۰/فیصد غیر

قانونی حرکتیں زیادہ بی جے پی والی ریاستوں میں کیوں ہورہی ہیں؟ اور اس سوال کا جواب بھی ضروری ہے کہ کیوں یہ حکومتیں ان زعفرانی سر پھروں کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لے رہی ہیں؟ گئو رکشا کے مجرموں کے ساتھ رواداری بھرے روے سے یہ صاف جھلکتا ہے کہ یہ قاتل زعفرانی کارکن ہیں جو حکومت سے وابستہ ہیں۔

کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جب مودی خود گئو رکشکوں کو دلتوں پر حملہ نہ کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں اور گائے سے ان کی حقیقی محبت کم ہونے پر ان کی تنقید کر رہے ہیں، پھر بھی ان کے اِخلاص پر شک کرنا بدگمانی ہوگی مگر یہ سوچ بڑی بھول ہے۔ انھیں سنگھ کے منصوبے اور روش میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔ تردید کا فیوڈل موڈ (مشفقانہ ڈانٹ) ان کی آئیڈیالوجی اور پالیسی کا خاص طریقہ ہے۔ جس طرح دلتوں کے احساسات کو انھوں نے محسوس کرانے کی کوشش کی اور گئو رکشکوں کو دلتوں سے دوری بنانے کی اپیل کی، یہ اسی پالیسی کا حصہ ہے۔ جس شخص کو بھاری اکثریت ملی ہے وہ وہ بڑی حکمت سے اپنی بات رکھتا ہے، انھوں نے گئو رکشکوں سے کہا کہ مجھے گولی مار دو مگر میرے دلت بھائیوں کو نہیں، اگر تمھیں حملہ کرنا ہے تو مجھ پر کرو۔ اگر تمھیں گولی چلانا ہے تو مجھ پر چلاؤ مگر میرے دلت بھائیوں کو نشانہ مت بناؤ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ لا اینڈ آرڈر ریاست کی ذمہ داری ہے، مگر ملک اور عوامی مفاد کے لیے یہ ریاستوں کو حکم دے سکتے تھے۔ وفاقی نظام کسی ریاست کو یہ اِختیار نہیں دیتا ہے کہ وہ سماجی امن اور ملک کی سلیت و یکتا کو تاراج کرے۔ ان کی فکر اور اظہار کا دوہرا پن صاف صاف نظر آتا ہے۔ کچھ لوگ گئو رکشا کے نام پر سماج میں نفرت پیدا کرنا چاہتے ہیں، مگر ملک کی سلیت و وحدت کی حفاظت ہمارا فریضہ ہے۔ انھوں نے یہ بھی جتلانے کی کوشش کی ہے کہ ایک زمانے سے چلے آرہے 'سماجی مسئلہ' کو ان کے مخالفین کی طرف سے 'سیاسی ایشو' بنایا جارہا ہے۔ اس طرح کا بیان دے کر نریندر مودی اپنی ذمہ داریوں سے پہلوتہی کر رہے ہیں۔ تقریباً تمام حملہ آوروں کا تعلق آر ایس ایس کے الائنس وشو ہندو پریشد اور گئو رکشا دل سے ہے، مگر مودی کے بیان کے بعد آر ایس ایس نے ان گئو رکشکوں سے دوری کو مینٹین کیا ہے۔ آر ایس ایس کے سکریٹری سریش 'بھیاجی' جوشی (اب یہ بھی) کہہ رہے کہ کچھ سماج مخالف عناصر نے گئو رکشا کے نام پر قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے، اور فساد کے ذریعے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ ان کے حساب سے آر ایس ایس نے ملک باسیوں سے یہ اپیل کی ہے کہ وہ ان مٹھی بھر موقع پرست لوگوں کی حرکتوں کو ایکسپوز کریں اور ان کا تعلق ان لوگوں سے نہ جوڑیں جو گئو رکشا جیسے مقدس فریضہ کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔ شک کی گنجائش بہت کم رہ جاتی ہے کہ یہ پورا تماشہ ایک گہری سازش کا پتہ دیتی ہے، آر ایس ایس نے مودی کی سیاسی چال کی حمایت کر کے یہ واضح کر دیا ہے کہ مودی نے سنگھ پریوار کی ہدایت پر ہی اپنی چپی توڑی ہے اور وہ آر ایس ایس کی بولی بول رہے ہیں۔ اصل میں وی ایچ پی اور گئو رکشا دل کی حرکت کے خلاف سنگھ پریوار کے بہت سے لوگوں کی شدید ناراضگی نے آر ایس ایس کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ مودی کو منہ کھولنے کا آدیش دے، جہاں تک پہنچنے کے لیے انھیں پندرہ روز کا عرصہ لگ گیا۔ ستمبر ۲۰۱۵ء میں جب محمد اخلاق کا قتل ہوا تو مودی اور آر ایس ایس نے مکمل چپی سادھ رکھی تھی مگر وہ دلتوں پہ حملوں کے معاملہ میں ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ جیسے ہی مودی نے دلتوں پہ حملہ کی وجہ سے گئو رکشکوں کی مذمت کی، اگلے ہی دن وی ایچ پی اور گئو رکشا دل نے یہ عزم ظاہر کیا کہ لمبی مدت تک ان کی مہم چلتی رہے گی، بلکہ وی ایچ پی اور ہندو مہا سبھا نے تو ۸۰ر فیصد گئو رکشکوں کو غنڈہ کہنے کی وجہ سے مودی کو ہندوؤں سے معافی مانگنے تک کا مشورہ دے ڈالا، باوجودیکہ دلتوں تک پہنچ بنانے اور انھیں ٹھنڈا کرنے کی مجبوری صاف نظر آتی ہے پھر بھی آر ایس ایس نقصان کے ازالہ کی ذمہ داری کی وجہ سے مجبور تھا۔

(بشکریہ انگریزی روزنامہ دی اکو آف انڈیا، پورٹ بلیئر، انڈمان۔ ہند، ۱۴؍ اگست ۲۰۱۶ء، صفحہ ۴)

(http://echoofindia.com/reflexaction/pmcowvigilanteissue113639)

وزیر اعظم کو دلتوں کی فکر

تحریر: اُمولیا گانگولی۔ترجمہ: جاوید عنبر مصباحی

نہ جانے کیوں نریندر مودی' سنگھ کے فسادی بدمعاشوں پر لگام کسنے میں خاصے سست نظر آرہے ہیں، بیف (گائے کا گوشت) کھانے کے شک پر زعفرانی بھیڑ کے ہاتھوں مارے گئے محمد اخلاق پر (اشاروں میں بھی) دو لفظ بولنے میں انھیں دس دن لگ گئے۔اپنے آبائی پیشہ مردہ گائے کی چمڑی نکالنے میں مصروف دلتوں کی زعفرانیوں کے ذریعے پٹائی کے کئی دنوں بعد وزیر اعظم نے گئو رکشکوں کے خلاف اپنا منہ کھولا ہے۔قتل اور خوف کے ماحول پہ ردعمل ظاہر کرنے میں ہوئی اس تاخیر نے بھارت کو'طالبانی طرز کے نقلی مذہبی ایجنڈا والے'وحشیوں کی زمین' کے طور پر بدنام کر دیا ہے، یہ ردعمل اتنی تاخیر سے سامنے آیا ہے کہ نیویارک ٹائمز کو مودی کی اس خموشی کو'خطرناک' قرار دینے پر مجبور ہونا پڑا۔اگر چہ وزیر اعظم کو یوگی اُدتیہ ناتھ کی مہم' گھر واپسی' اور'لو جہاد' کو کنٹرول کرنے میں کامیابی ملی ہو،اسی طرح وہ دوسرے ایم پی ساکشی مہاراج کو بار بار گاندھی کے قاتل ناتھورام گوڈسے کو دیش پریمی کہنے سے روکنے میں کامیاب ہوں،اور منہ پھٹ اور وبال جان سبرامنیم سوامی کو خاموش کرا سکے مگر جس وقت انھوں نے ان سب کے خلاف ایکشن لیا وہ بجائے مثبت کہ یہ منفی پیغام چھوڑ گیا کہ مودی کا ترقیاتی منصوبہ ان ہندوتوا کے' آتش باز فوجیوں' کی وجہ سے ضرور ناکام ہوگا۔یہ سمجھنا بہت مشکل ہے کہ مودی نے ان خطرناک افراد کو زہر اگلنے سے پہلے کیوں نہیں' بے دھار' کیا،اس کے بجائے وہ رسی کو ڈھیلی چھوڑ دیتے ہیں جو اُن کی صلاحیت اور نیت پر شک کا سایہ تان دیتی ہے۔چونکہ ان بلوائیوں کو آر ایس ایس کی حمایت حاصل ہے اس لیے یہ خیال کیا جا رہا تھا کہ مودی'ہاں نہ کی کش مکش' میں ہیں،ورنہ مرکزی وزیر انصاف تھاور چند گہلوت ہرگز گئو رکشکوں کو سماجی تنظیموں کا حصہ نہیں کہتے اگر مودی کابینہ کو اپنے خیال (کہ گئو رکشک سماج مخالف افراد ہیں) سے آگاہ کرتے۔سابق پرچارک ہونے کی وجہ سے مودی ضرور اس گروپ کی تخریب کاری سے بخوبی آگاہ ہوں گے۔مگر اس کے باوجود انھوں نے انھیں مکمل آزادی دی،جب انھیں اپوزیشن کے چوطرفہ حملہ سے کوئی چارہ نہ رہا تب انھوں نے زبانی ڈانٹ پلائی۔انھیں شروع میں ہی ان پر لگام کسنے کی ضرورت تھی۔تاخیر سے آئے ردعمل نے صرف بی جے پی مخالف طاقتوں کو فائدہ پہنچایا ہے۔اس کے علاوہ انھیں یہ بھی امید نہیں رکھنی چاہئے کہ گئو رکشکوں کے خلاف دیا جانے والا ان کا آرڈر ان کے زعفرانی بھائی پورے طور پر مان لیں گے۔بجرنگ دل اور وشو ہندو پریشد نے پہلے ہی اپنا احتجاج درج کرا دیا ہے۔یہ واضح ہے کہ ہندو راشٹر یہ سے متعلق آر ایس ایس کی قدیم اور جبری فکر جس میں گائے کو قومی جانور کا درجہ دیا جائے گا کی وجہ سے،آر ایس ایس کے جنونی حامی اتنی آسانی سے مودی کے'نقلی سیکولر' فارمولہ کے آگے جھکنے والے نہیں ہیں۔

اب جبکہ سابق ہندو ہردیا سمرت ہر زعفرانی فکر کو نشانہ بنا رہے ہیں،کچھ چیزیں ایسی ہیں جنھیں بشمول مقبول اعتدال پسند واجپائی نے بھی کرنے کی کوشش نہیں کی،وزیر اعظم اس سے تھوڑا ہٹ کر ہیں،انھیں آخر کار یہ بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ جب تک وہ گرم مزاجی کو کنٹرول نہیں کرتے کوئی امید نہیں ہے کہ وہ بلٹ ٹرین اور اسمارٹ سٹی والے ماڈرن انڈیا کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کر سکیں،یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اگر مودی گائے کو پیچھے چھوڑ دیں (میری نیت غلط نہیں ہے) تو انھیں سوائے'ہندوتوا طبقہ' کے سارے عوام کا ووٹ ملے گا۔جب انھیں ۲۰۱۴ء میں لوگوں نے ووٹ دیا تو ان کی امید یہی تھی کہ مودی خود کو ان سے دور رکھیں گے۔اگر چہ گئو رکشکوں کی تنقید کے پیچھے ان کا یہ مقصد چھپا ہے کہ بی جے پی کے لیے پھر سے جز وقتی فائدہ دلتوں کا ووٹ حاصل کیا جائے،مگر یہ بھی اہم ہے۔کیونکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یوپی اور اس کے ساتھ پنجاب اور گجرات الیکشن میں کمزور پرفارمنس بی جے پی کے مورل کو بری طرح نقصان پہنچائے گا۔اور یہ مشن ۲۰۱۹ء کے لیے خراب تیاری ہوگی،جبکہ حالات ایسے ہیں کہ معاشی تبدیلی کی کوششوں کو سودیشی جاگرن منچ (SJM) اور بھارتیہ مزدور سنگھ (BMS) جیسی شدت پسند

سنگھی تنظیموں کی جانب سے سخت تنقید کا سامنا ہے، اور کسان اس نظریے سے جی ایس ٹی کے خلاف ہیں کہ اس سے عام آدمی کو نہیں بلکہ صرف سرمایہ داروں کو فائدہ پہنچے گا، ایسے میں کٹر پنتھیوں کے خلاف ایمان دارانہ ایکشن ضروری ہو جاتا ہے۔ یہ بات مشتبہ ہے کہ مودی ان ہٹ دھرم زعفرانیوں کا پوری طرح سامنا کر پاتے ہوں گے۔ جبکہ کشمیر جل رہا ہے، وزیراعظم پاکستان سے بات چیت کرنے میں بھی کش مکش کے شکار ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ داخلی اور خارجی سطح پر غیر موافق حالات پھر سے ابھرتی دکھ رہی کانگریس کو نئی زندگی دے سکتی ہے، جیسا بنارس میں سونیا گاندھی کی ریلیوں میں دیکھنے کو ملا۔ اگر چہ مودی ابھی بھی ترقی پسند عام لوگوں کے لیے 'بہتر اکا' رہیں گے مگر معاشی تبدیلی کے خواہاں طبقہ کی بہ نسبت، خود ہندوتوا حامی گئو رکشکوں، بھارتیہ مزدور سنگھ اور سودیشی جاگرن منچ کے ذریعے ان کی تنقید کافی دلچسپ ہے۔ ہندو کٹر پنتھیوں اور وزیراعظم کی رسہ کشی دونوں میں سے کسی ایک کی ہار جیت تک جاری رہے گی۔

(بشکریہ: انگریزی روزنامہ دی اکو آف انڈیا، پورٹ بلییر، جزیرۂ انڈمان۔ ہند، ۱۳ راگست ۲۰۱۶ء، اداراتی صفحہ)

(http://echoofindia.com/reflex-action/pm-s-concern-dalits-113563)

اعلان

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی کی اشاعت ومقبولیت کو دیکھتے ہوئے اس کی کمپیوٹر کاپی فیس بک پر بھی اپ لوڈ کر دی جاتی ہے تاکہ جن حضرات تک رسالہ نہیں پہنچ پا رہا ہے وہ کمپیوٹر کے ذریعہ اس کو ڈاؤن لوڈ کر سکیں۔ پیغام شریعت فیس بک کا اڈریس یہ ہے:

www.facebook.com/paighameshariat

نیز ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی مساجد ومدارس واسلامی مراکز کے ذمہ داروں سے گزارش ہے کہ اپنا پورا پتہ پن کوڈ کے ساتھ ارسال کریں تاکہ ہم پیغام شریعت کی اعزازی کاپی آپ کے پتے پر ارسال کریں۔ اپنے پتے اس ای میل پر ارسال کریں:

Tariqueanwer313@gmail.com

فقط: طارق انور مصباحی کرالا
مینجنگ ایڈیٹر ماہنامہ پیغام شریعت دہلی
09916371192

اہل قلم توجہ دیں!

قلم کار حضرات سے گزارش کرتے ہیں کہ اپنے گراں قدر مضامین صاف لکھ کر ارسال فرمائیں۔ کمپوز شدہ تحریر ان پیج کی فائل میں بھیجیں تو اس سے آپ کی تحریر میں غلطیوں کے امکانات کم ہوں گے۔ اپنے مضامین مختصر اور چھوٹے لکھیں، جو دو تین یا چار صفحات تک محدود ہوں، زبان عام فہم استعمال کریں اور اپنی تحریر میں حوالے کا التزام کریں۔ اپنی نگارشات کے اخیر میں اپنا نام، مکمل پتہ اور رابطہ نمبر ضرور لکھیں۔

اطلاعاً عرض ہے کہ ماہنامہ پیغام شریعت میں ایسا مضمون شائع نہ ہوگا جو کسی رسالے میں شائع ہو چکا ہے۔ لہٰذا اپنا غیر مطبوعہ مضمون ہی ارسال کریں۔ مہینے کی پانچویں تاریخ تک مضامین، اور دس تاریخ تک رپورٹس اور تاثرات ادارے کو موصول ہو جائیں تو ہمیں شائع کرنے میں آسانی ہوگی۔

paigamesshariat@gmail.com

ماہنامے کی ایجنسی لینے کے لیے مندرجہ ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔

بنگلور میں: مولانا طارق انور مصباحی: 09916371192
کولکاتہ میں: مولانا وفاء المصطفیٰ امجدی 09883264118
سنبھل میں: مولانا محمد فاضل مصباحی: 09634682342
مالیگاؤں میں مولانا غلام مصطفیٰ رضوی: 09325028586
بنارس میں: مولانا ڈاکٹر شفیق اجمل 09839655808
بھیونڈی میں: حافظ علاء الدین: 09823625741
مہراجگنج یوپی میں: مولانا کوثر امام: 09838086342
ممبئی میں: ڈاکٹر غلام جابر شمس: 09869328511

خیر و خبر

(ادارہ)

چیچنیا میں منعقدہ کانفرنس ''اہل سنت کون؟'' میں وہابیوں کو غیر سنی قرار دیا گیا

روسی چیچنیا میں منعقدہ ''اہل سنت کون'' کانفرنس کے خلاف سعودی وہابی مفتیوں کے غم وغصے کی لہر مسلسل بڑھتی جارہی ہے۔ کانفرنس میں وہابیت اور تکفیری سلسلے کو اسلام کی بدنامی کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ عالمی اردو خبر رساں ادارے نیوز نور کی رپورٹ کے مطابق ۲۵/اگست کو روسی چیچنیا میں ''اہل سنت کون'' کانفرنس میں عالم اسلام سے ۲۰۰ ممتاز اہل سنت علما خاص طور پر الازہر یونیورسٹی کے مفتی اعظم کی شرکت کے ساتھ منعقد ہوئی جب کہ کانفرنس میں سعودی اور قطر کے سلفی اور وہابی مفتیوں کو شرکت کی دعوت نہیں دی گئی، جس کے سبب سلفی اور وہابی مفتیوں نے زبردست غم وغصے کا اظہار کیا ہے۔ اس کانفرنس میں کہ جو ''گروزنی'' شہر میں جمہوریہ چیچنیا کے صدر رمضان احمد قدیرف کے خطاب سے شروع ہوئی، کوشش یہ رہی کہ ''اہل سنت'' کی جامع تعریف سامنے لائی جائے۔ ایسی تعریف کہ جس میں وہابیت اور تکفیری سلفیت کے لیے کوئی جگہ موجود نہ ہو۔ اس کانفرنس میں جامع الازہر مصر کے شیخ الجامعہ احمد الطیب نے بھی شرکت کی اور اختتامی بیان میں اہل سنت کی تعریف یوں کی گئی: اہل سنت اعتقاد اور کلامی مذاہب کے اعتبار سے اشعری اور ماتریدی ہیں۔ اور فقہی اعتبار سے چار مسلک حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی ہیں، اور علمی، اخلاقی اور تزکیہ نفس کے اعتبار سے صوفی امام جنید بغدادی اور ایسے اہل تصوف پاک کے ماننے والے ہیں۔

اس کانفرنس میں زور دے کر کہا گیا کہ وہابیت اور سلفیت امت اسلامی کے تفرقے اور اسلام کی بدنامی کا سبب بنی ہوئی ہے۔

اختتامی بیان میں یہ بھی ذکر ہوا ہے کہ: اہل سنت وجماعت کے مفہوم کو خطرے اور انحراف سے بچانا سب سے اہم اور ضروری مسئلہ ہے۔ ایسا مفہوم جسے انتہا پسند اس مقدس عنوان کو چرا کر اپنے لیے محدود ومخصوص کرنے کے درپے ہیں۔ اس کانفرنس کے بعد جس کا سعودی اور مغربی حامی میڈیا کی طرف سے شدید بائیکاٹ کیا گیا، آہستہ آہستہ سعودی شخصیتوں اور مفتیوں نے ایک ایک کر کے اس کانفرنس کو ہدف تنقید بنانا شروع کر دیا ہے۔ عربی نیوز پورٹل ''عربی 21'' نے اس حوالے سے لکھا ہے کہ اہل سنت کی تعریف کو اشعری اور ماتریدی میں محدود کرنے کا مقصد اہل حدیث اور سلفیت کو دائرۂ اہل سنت سے خارج کرنا ہے۔ یہ ایسا موضوع ہے جس نے سلفیوں میں غم وغصے کی لہر دوڑا دی ہے اور وہابی مفتیوں نے اس کے خلاف پرزور بیانات دیے ہیں۔ اسی طرح مصر کے سلفیوں اور سعودیہ کے وہابیوں نے الازہر مصر کے شیخ الجامعہ شیخ احمد الطیب کے خلاف وسیع پیمانے پر تنقیدی حملے کرنے شروع کر دیے ہیں۔

حسام الحرمین کی تصدیق جدید

طارق انور مصباحی (کیرلا)

بعض اسباب کے پیش نظر میرے ذہن میں حسام الحرمین کی تصدیق جدید کا خیال آیا۔ اس کے بعد میں نے ہندوستان میں اہل سنت وجماعت کی مرکزی شخصیات سے اجازت وتائید طلب کی۔ الحمدللہ تمام حضرات نے ہماری تائید فرمائی۔ یہ سلسلہ دو ماہ، فروری و مارچ ۲۰۱۲ء میں مکمل ہوا۔ یہ تصدیق جدید نوے (۹۰) سال بعد ہو رہی ہے۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری رضی اللہ عنہ نے ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں ''المعتمد المستند'' میں افراد خمسہ کے بارے میں شرعی احکام تحریر فرمائے۔ یہ کتاب

۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں پٹنہ سے چھپ کر شائع ہوئی اور علمائے حرمین طیبین نے ۱۳۲۳ھ/۱۳۲۴ھ/۱۹۰۵ء میں اس فتویٰ کی تصدیق فرمائی۔ علمائے حرمین طیبین کی تصدیقات ''حسام الحرمین'' میں موجود ہیں۔ بیس سال بعد شیر بیشہ اہل سنت حضرت علامہ حشمت علی خاں لکھنوی (۱۹۰۱ء-۱۹۶۰ء) کے مشورہ کے مطابق سال ۱۳۴۴ھ/ ۱۳۴۵ھ میں غیر منقسم ہندوستان کے (۲۶۸) دوسواڑسٹھ اکابر علماء کرام نے امام اہل سنت کے فتویٰ کی تصدیق کی۔ اس کی تفصیل ''الصوارم الہندیہ'' میں موجود ہے۔ اس کے نوے سال بعد تصدیق جدید سے متعلق میری جانب سے (۱) ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف فروری ۲۰۱۲ء (۲) ماہنامہ بطحا حیدرآباد فروری ۲۰۱۲ء (۳) ماہنامہ سنی آواز ناگپور جولائی واگست ۲۰۱۲ء (۴) ماہنامہ کنز الایمان دہلی مئی ۲۰۱۲ء) (۵) ماہنامہ کنز الایمان دہلی جولائی ۲۰۱۲ء) (۶) ماہنامہ کنز الایمان دہلی ستمبر ۲۰۱۲ء میں اعلان ومضامین شائع ہوئے۔

سبط صدر الشریعہ حضرت مفتی فیضان المصطفےٰ قادری مصباحی دام ظلہ العالی اس پروگرام کے سرگرم کارکن تھے۔ ممدوح گرامی نے شرعی کونسل بریلی شریف کے نویں فقہی سیمینار منعقدہ ۱/۲/۳/ جون ۲۰۱۲ء میں تصدیق جدید کے پروگرام کا آغاز فرمایا۔ اس کی تفصیل مولانا موصوف نے سہ ماہی امجدیہ جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۱۲ء کے شمارہ میں شائع فرمادی تھی۔ پھر ہماری گذارش پر استاذ عالی المراتب حضرت علامہ محمد احمد مصباحی سابق شیخ الجامعہ وناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور واستاذ گرامی حضرت علامہ مسعود احمد برکاتی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور نے عرس برکاتی قاسمی مارہرہ شریف منعقدہ ۴/۵/ نومبر ۲۰۱۲ء میں شریک عرس علمائے کرام ومشائخ اہل سنت سے تصدیقات حاصل فرمائیں۔ بریلی شریف ومارہرہ شریف کی تمام تصدیقات، حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے پاس جمع ہیں۔ اکثر اکابرین اہل سنت کی تصدیقات موصول ہو چکی ہیں اور یہ سلسلہ میں نے جاری رکھا ہے۔ حسب موقع تصدیقات حاصل کرتا رہتا ہوں۔ مابعد کی تصدیقات میرے پاس ہیں۔

مفتی فیضان المصطفےٰ قادری اس پروگرام کو ہندوستان کے مختلف خطوں تک لے جانا چاہتے تھے کہ اسی درمیان انہیں امریکہ سے تعلیم وتدریس کی دعوت آئی اور وہ ماہ اکتوبر ۲۰۱۲ء میں امریکہ چلے گئے۔ اس سفر میں چند علمائے کرام ہمارے شریک رہے ہیں۔ مثلاً مفتی یحییٰ رضا مصباحی (ممبئ) مفتی ذوالفقار رشیدی (دیناجپور) مفتی مبشر رضا ازہر مصباحی (احمدآباد) مفتی شریف الرحمٰن رضوی (ہاسن) مولانا منیف عالم رضوی (کرناٹک) وغیرہم ہمارے پروگرام کی تکمیل کے لیے سراج ملت حضرت علامہ حافظ سید سراج اظہر نوری دام ظلہ (ممبئ) اور مفتی قوم وملت مولانا ولی محمد رضوی (باسنی، راجستھان) نے بھی مختلف علاقہ جات میں کوشش وکاوش فرما کر تصدیقات حاصل کیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

تمام حضرات سے مؤدبانہ عرض ہے کہ تصدیقات کی زیراکس کاپی جامعہ اشرفیہ مبارکپور بنام ناظم تعلیمات بھیج دیں۔ اگر کسی میگزین نے نشر واشاعت کی ذمہ داری قبول کی توان شاءاللہ تعالیٰ یہ سلسلہ بھی شروع کردیا جائے گا۔ اکابرین اہل سنت وعلمائے متوسطین میں سے جن حضرات تک میں نہ پہنچ سکا، ان سے بصدادب عرض ہے کہ اپنا تصدیق نامہ جامعہ اشرفیہ بھیج دیں۔ اگر تصدیق جدید کے سلسلے میں کوئی سعادت مند ہمارا عملی تعاون کرنا چاہتا ہے تو اسے تصدیق جدید کا سوالنامہ ای میل پر بھیج دیا جائے گا۔ مجھ سے جب تک ہو سکے گا، ان شاءاللہ تعالیٰ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ وماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

ہاشم انصاری کی وفات
بابری مسجد کی تاریخ کا ایک ستون نہ رہا

طارق انور مصباحی (کیرلا)

اجودھیا کے ہاشم انصاری ہندوستان کی ان نمایاں شخصیتوں میں سے

ایک تھے کہ جنہیں اسلامیانِ ہند کی تاریخ انتہائی فخر سے اقوام عالم کے سامنے پیش کرسکتی ہے۔ ہاشم انصاری ۱۹۴۹ء سے بابری مسجد کا مقدمہ لڑ رہے تھے۔ یعنی کل ۶۷/ سال تک انہوں نے بابری مسجد کا کیس لڑا۔ سال ۱۹۵۴ء میں ہاشم انصاری نے بابری مسجد میں نماز کا اعلان کیا اور انہیں فیض آباد کورٹ کے فیصلے پر دو سال کے لیے جیل بھی جانا پڑا۔ اجودھیا ہی میں ۱۹۲۱ء میں ان کی پیدائش ہوئی اور چھیانوے سال کی عمر میں بابری مسجد کا مقدمہ لڑتے ہوئے ۲۰/ جولائی ۲۰۱۶ء کو دار بقا کی جانب کوچ کر گئے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ہاشم انصاری کی وفات پر ہندوستان کے دانشوران اور سیاسی وسماجی قائدین نے افسوس کا اظہار کیا۔ مختلف مقامات پر تعزیتی اجلاس منعقد ہوئے۔ خصوصاً رضا اکیڈمی ممبئی نے اس کا اہتمام کیا۔ بہر حال تاریخ نے عقیدت ومحبت کے ساتھ اپنے دامن میں ہاشم انصاری کو محفوظ کرلیا ہے۔ کیونکہ لاکھوں میں چند ایک ایسے مخلص ہوتے ہیں۔

سلطنت مغلیہ کے عظیم تاجدار ظہیر الدین بابر بادشاہ ہند کے حکم سے اس کے وزیر میر محمد باقی نے ۱۵۲۸ء میں اجودھیا میں بابری مسجد کی تعمیر کرائی۔ تین صدیوں تک یعنی ۱۵۲۸ء سے ۱۹۴۹ء تک یہ مسجد مسلمانوں کی عبادت گاہ کے طور پر استعمال ہوتی رہی۔ ۲۱/ دسمبر ۱۹۴۹ء کو عشا کی نماز مولانا عبد الغفور نے پڑھائی۔ اسی رات کو ایک مستحکم سازش کے تحت مسجد میں مورتیاں رکھ دی گئیں۔ ۲۲/ دسمبر ۱۹۴۹ء سے ہندوؤں ومسلمانوں میں فساد ہونے لگا۔ جس کی وجہ سے حکومت نے اس مسجد کو مقفل کردیا۔ اجودھیا کے باشندہ مرحوم ہاشم انصاری نے فیض آباد کورٹ میں کیس دائر کردیا۔ ایک طویل مدت تک وہاں کیس چلتا رہا۔ پھر ۳/ فروری ۱۹۸۶ء کو ایڈوکیٹ مشتاق احمد صدیقی نے ضلع جج فیض آباد سے مقدمہ کی کاپیاں لے کر ہاشم انصاری کے ساتھ ہائی کورٹ میں اپیل کردی۔ ابھی کیس جاری ہی تھا کہ انتہا پسند ہندوؤں نے ۶/ دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد کو شہید کردیا۔ بابری مسجد کو منہدم کرنے کے جرم میں بہت سے لوگوں پر مقدمہ درج ہوا، وہ مقدمہ بھی ابھی جاری ہے۔ اسی طرح بابری مسجد کی ملکیت کا مقدمہ بھی سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہے۔ ۶ /دسمبر کی تاریخ ہر سال یوم سیاہ کے طور پر منائی جاتی ہے۔ بہر کیف اس سلسلے میں مرحوم ہاشم انصاری کی خدمات کو بھلایا نہیں جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم ہاشم انصاری کو جنت نصیب فرمائے اور ان کی انتھک کوششوں کو جلد بارآور فرمائے آمین۔

☆☆☆

حضرت دیوان شاہ ارزانی کے عرس میں قومی سمینار
''دہشت گردی کے سد باب میں تصوف کی معنویت''

پٹنہ: حضرت دیوان شاہ ارزانی کے عرس کی تقریبات کے دوران آج کل ہند سمینار بعنوان ''دہشت گردی کے سد باب میں تصوف کی معنویت'' منعقد کیا گیا، جس کی صدارت وسرپرستی خانقاہ کے سجادہ نشیں امین طریقت حضرت پروفیسر سید شاہ حسین احمد نے کی۔ آپ نے کہا کہ تمام سلاسل نے احترام انسانیت وتکریم آدمیت کا درس دیا ہے اور نہ صرف درس دیا ہے بلکہ صوفیائے کرام اور بزرگان دین نے اس پر عمل کر کے بھی دکھایا ہے۔ انہوں نے نوافل سے زیادہ اہمیت بھوکے کو کھانا کھلانا بتایا ہے۔ صوفیہ نے دلوں کو اس طرح بنایا کہ دہشت گردی اور تشدد کے باب ہی بند ہوگئے۔ کہیں بھی کسی بھی تاریخ اور سیر کی کتابوں میں صوفیہ کے حوالے سے تشدد اور دہشت گردی کا کوئی واقعہ منسوب نہیں مل سکتا۔ آج کے اس زمانے میں اگر خانقاہی تعلیم عام ہوجائے تو دہشت گردی ختم ہوجائے گی۔ مگر اس کے لیے خود خانقاہیوں کو سب سے پہلے تیار ہونا ہوگا۔ مٹھی بھر جو لوگ دہشت گردی کررہے ہیں۔ ہمیں دنیا کو بتانا ہوگا کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ مسلمانوں کو وہ بدنام کرنے والے ہیں، جو بے قصوروں کو قتل کرتے ہیں وہ مسلمان نہیں ہوسکتے۔

سمینار میں اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے رمز شناس تصوف ،

معتبر ومنفرد فکشن نگار پروفیسر شاہ حسین الحق نے آیت تخلیق انسانیت کی صوفیانہ تشریح کی اور کہا کہ پہلے تعلیم کے کوئی علاحدہ ادارے نہیں ہوتے تھے۔ خانقاہ اور صوفیوں کی چوکھٹ ہی تعلیمی ادارے ہوتے تھے۔ جب سے تعلیم اور تصوف کو علاحدہ کیا جانے لگا تب سے مسئلہ پیدا ہوا کہ اخلاقی تعلیم کی راہیں مسدود ہوگئیں۔ اب تعلیم برائے تعلیم کا نظام قائم ہے۔ پہلے تعلیم برائے اخلاق کا نظریہ تھا۔ اس لیے آج بھی خانقاہوں کو متحرک وفعال ہونے کی اشد ضرورت ہے کہ وہ لوگوں کو تعلیم بھی دیں تا کہ دہشت ووحشت اور اخلاق اور تبلیغ دین میں فرق ہو سکے، نہ کہ دہشت گردی اور قتل وغارت گری ہی کو تعلیم سمجھ لیا جائے۔ قرآن میں زیادہ تر مقامات پر انسانیت کو مخاطب کیا گیا ہے۔ دینی امور کی انجام دہی اور شریعت کے نفاذ کے لیے ہی مسلمان مخاطب کیے گئے ہیں۔

اس موقع معروف خطیب وعالم مولانا حسن رضا خان نے اپنے مقالے میں انسان کے عناصر ترکیبی کی تشریح کرتے ہوئے صوفیہ کی تعلیمات اوران کے درس وتدریس کے طریقوں پر گفتگو کی اور کہا کہ صوفیہ کے طریقہ اصلاح باطن کے ذریعہ ہی انسانیت کو دہشت گردی سے چھٹکارہ مل سکتا ہے۔ انہوں نے اس موقع پر مثالیں دے دے کر صوفیہ کے طریقے کو بیان کیا۔ ان کی تعلیمات پر بھر پور گفتگو کی۔

اس موقع پر روزنامہ انقلاب، پٹنہ کے ریزیڈنٹ ایڈیٹر احمد جاوید نے کہا کہ اس دور میں خبط پارسائی سب سے بڑا مرض ہے۔ جو شخص اس مرض کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے علاوہ کسی کو لائق اعتنا نہیں سمجھتا۔ یہی معاملہ ان لوگوں کے ساتھ ہوا، جو اسلام کے نام پر دہشت گردی پھیلا رہے ہیں۔ اسلام میں کہیں بھی دہشت گردی کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

مدرسہ سلیمانیہ، پٹنہ کے استاذ مولانا سید امانت حسین نے کہا کہ صوفیائے کرام نے تاریخ کے ہر موڑ پر رسول کبریا اوران کے اہل بیت اطہار کی سیرت کو مشعل راہ بنا کر معنویت کے ذریعہ دہشت گردی کے سیلاب کو خشک کیا ہے اور یہی راستہ سیر وسلوک اور وصل الی اللہ کا اکلوتا راستہ ہے۔ آثار سے محبت ذات سے محبت کی علامت ہے۔ انسانیت سے محبت خالق سے محبت کا ثبوت ہے اور یہی معنویت دہشت گردی کا سد باب ہے۔

ونوبا بھاوے یونیورسٹی کے استاذ پروفیسر زین رامش نے کہا کہ صوفیہ نے جس طرح کی تعلیمات عام کی ہیں۔ انہیں پھر سے عام کرنے کی ضرورت ہے۔ جس کے لیے سب سے پہلے ہمیں خود کو تیار کرنا ہوگا۔ دہلی یونیورسٹی کے ریسرچ اسکالر سید نورین علی حق نے اپنے مقالے میں کہا کہ انسانیت کے دشمن ہمارے دشمن ہیں۔ پوری دنیا کے دشمن ہیں۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ وہ خالق حقیقی کے بھی دشمن ہیں۔ خانقاہوں کو ایسی نسل تیار و مستعد کرنی ہوگی، جو جہاد بالنفس کے نظریے کو عام کرے اور اس نظریے کے فروغ کے لیے صالح اور موثر زبان وطریقہ استعمال کرے۔ اس موقع پر مریدین ومتوسلین اور عقیدت مندوں کی خاصی بھیڑ تھی۔ اس موقع پر پروفیسر مسعود انور علوی کو آفتاب شریعت تصوف ایوارڈ ملنے پر شرکائے سمینار نے مسرتوں کا اظہار کیا اور پروفیسر موصوف کو مبارک باد پیش کی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۴۵)..

(۳) دینی تعلیم میں طلبائے مدارس کی تساہلی کے اصل ذمہ دار، معماران قوم وملت ہیں۔ انہیں چاہیے کہ حالات حاضرہ کے اعتبار سے نظام ونصاب تعلیم کو مرتب کریں۔ تا کہ اس تعلیمی مرحلہ میں طلبا دنیا وآخرت ہرایک کی بھلائیوں کے حصول کے اہل بن سکیں۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

R.N.I. No. DELURD/2015/65657
Publishing Date:20
Advance Month

Postal Registration DL(DG-11) 8085/2016-18
Total 56 Pages with Title Cover, Weight 95 grams
Posting Date: 21&22

Paigam e Shariat Monthly

Vol: 01 Issue:13 OCTOBER-2016

ادارہ ماہنامہ پیغام شریعت دہلی کی طرف سے

طلبہ کے لیے شاندار تحریری انعامی مقابلہ

دینی اداروں کے طلبہ کے اندر تحریری صلاحیت کو فروغ دینے کے لیے ادارہ پیغام شریعت دہلی یہ اعلان کر کے خوشی محسوس کرتا ہے کہ ان کے لیے ایک تحریری انعامی مقابلہ کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا طلبہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ درج ذیل عناوین میں سے کسی ایک عنوان پر لکھیں، اور اپنے اندر تحریر و قلم کا جوہر پیدا کریں۔ اس مقابلے میں حصہ لینے والوں کو تین گروپ میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ابتدائی درجات۔ درمیانی درجات۔ منتہی درجات۔ ہر گروپ میں اول دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو ایک ایک ہزار نقد اور ترتیب وار فتاویٰ رضویہ (۳۰ جلدیں)، فتاویٰ شارح بخاری، اور بہار شریعت مع فتاویٰ فیض الرسول بطور انعام دیے جائیں گے۔ اور سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے پچیس طلبہ کے نام رسالہ پیغام شریعت ایک سال کے لیے مفت جاری کیا جائے گا۔ اور تمام شرکا کو اعزازی سند سے نوازا جائے گا۔ نیز ان میں سے منتخب مضامین پیغام شریعت کے قریبی شمارے میں شائع کیے جائیں گے۔

عناوین برائے تحریری مقابلہ

ابتدائی درجات: (اولیٰ/ثانیہ/ثالثہ)	درمیانی درجات: (رابعہ/خامسہ/سادسہ)	منتہی درجات: (سابعہ/ثامنہ/تخصص)
• سیرت رسول میں عفو و درگزر کے واقعات	• عہد مرتضوی اور بدمذہبوں پر داروگیر	• تفسیر آیات میں شان نزول کی حیثیت
• عہد صدیقی کے اہم کارنامے	• بدعت کا مفہوم، اقسام اور اطلاقات	• فقہی تحقیقات اور ترقی یافتہ سائنس
• عہد فاروقی اور اسلامی فتوحات	• واقعہ کربلا کے محرکات اور نتائج	• دہشت گردی کا رد اقوال رسول کی روشنی میں
• عہد عثمانی کے تجدیدی کارنامے	• دینی علوم اور کمپیوٹر ٹکنالوجی	• تعصب اور تصلب کا جوہری فرق
• میرا مادر علمی۔ تعارف اور خدمات	• میری پسندیدہ شخصیت۔ تعارف اور خدمات	• صوفیائے متقدمین سے کسی ایک کا تعارف

ضروری ہدایات

☆ صفحات کی تعداد: فل اسکیپ پر کم از تین صفحات۔ زیادہ کی کوئی قید نہیں۔ ☆ کہیں سے مواد اخذ کریں تو من و عن نقل نہ کریں، بلکہ انھیں اپنے الفاظ اور اسلوب میں ڈھالیں، اور حوالہ میں یوں لکھیں (مفہوماً/ملخصاً) ☆ کہیں سے کوئی مختصر اقتباس نقل کریں تو اس کا حوالہ ضرور دیں ورنہ سرقہ قرار دیا جائے گا۔

☆ املا اور زبان و بیان پر خصوصی توجہ دیں

نوٹ: تمام مضمون نگار اپنے ادارہ کے کسی استاذ سے اپنے نام و جماعت کی توثیق مع دستخط و موبائل نمبر درج کرا لیں اور اپنے مضامین اس پتے پر ارسال کر دیں۔

Paighame Shariat Monthly
House 442, 2nd Floor, Gali Sarotey Wali, Matial Mahal Jama Masjid Delhi-6
بذریعہ ای میل بھیجنے کے لیے مضمون اردو میں کمپوز شدہ ہونا چاہیے۔ ای میل کا پتہ: Paighameshariat@gmail.com

مضمون جمع کرنے کی آخری تاریخ: ۲۰ اکتوبر ۲۰۱۶ء

مزید تفصیلات کے لیے بذریعہ ای میل یا فون رابطہ کریں۔ یا فیس بک پر وزٹ کریں

Owner, Publisher & Printer
Mohammad Qasim
Chief Editor
Faizanul Mustafa Qadri

Printed at **M/s Ala Printing Press**
3636 Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006
Published from H.No.422, 2nd Floor, Gali Sarotey wali, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006